

جاسوسی دنیا نمبر 71

۱۷۰

لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی وجہ سے اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔

لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔
درستول کا صدر

لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔
لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔
لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔

لے کر اپنے عہد و بھروسے مالکیت پر اپنے دستیاروں کی طرف پڑھا۔
مددگار بھروسے کیوں کوئی انتہائی تحریر کرے؟ اسی سبب اسی طبقہ میں ایسا کوئی بھروسہ نہیں ملے۔

ان لوگوں سے انتقام نہیں لایا جو ان پر او جھڑیاں چھینتے تھے، ان کی راہ میں کافی بچاتے تھے۔ ان پر پھر چھینتے تھے۔ ان تمام لوگوں کے لئے کھلی ہوئی معافی تھی جہنوں نے انہیں بھرت پر مجبور کیا تھا۔

وہ انقلاب اس وقت ہوا تھا جب وہ ایک دشمن سے انتقام لینے جا رہا تھا اور وہ یقیناً اسے موٹ کے لحاظ اتار دیتا کیونکہ کچھ ہی دن پہلے اس نے بھرے مجع میں اس کی توہین کی تھی اور نادر نے اسی وقت تہمیہ کر لیا تھا کہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔

وہ اس رات اسی ارادے سے نکلا تھا۔ اس کی جیب میں بھرا ہوا بے آواز روپی اور بھی موجود تھا اور حالات ایسے تھے کہ وہ بڑی آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔

لیکن راہ میں ایک واعظ کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اسے نہہ سے ذرہ بر بھی لگاؤ نہیں تھا اور وہ کبھی نہ ہی جلوں کی طرف رخ بھی نہیں کرتا تھا۔ واعظ تقریر کرنے سے پہلے نظم پڑھ رہا تھا اور پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ نادر بے اختیار اس کی طرف کھینچا چلا گیا۔ یوں ہی اسے دو گھنٹے تک ادھر اور ہر رہنا تھا کیونکہ کام کا وقت تو پروگرام کے مطابق دو گھنٹے بعد یا آتا۔

وہ جلسہ کا کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

نظم ختم ہونے پر تقریر شروع ہو گئی اور نادر بس یونہی بیٹھا رہ گیا۔ اس نے سوچا تھا کیوں نہ دو گھنٹے گزار دیجے جائیں۔

تقریر رسول کریمؐ کی سیرت پر تھی۔ نادر کا سر خود بخود جھکتا چلا گیا۔ اسے ایسا محض ہو رہا تھا جیسے واعظ کا ایک ایک لفظ کا نوں سے گذر کر اس کی روح میں تخلیل ہو رہا تھا اور پھر جب واعظ اس موضوع پر آیا کہ رسول کریمؐ نے کبھی کوئی متفاہ کارروائی نہیں کی تو نادر کی حالت غیر ہو گئی۔ اس نے سن کر رسول کریمؐ نے اس عورت سے بھی انتقام نہیں لیا تھا جس نے ان کے چچا کا جگر تک چاڑا تھا۔ اس نے سن کر طائف والوں نے پھر مار کر رسول کریمؐ کا سارا جسم لولہماں کر دیا تھا لیکن اس حال میں بھی دنیا کے سب سے بڑے انسان نے ان کی بہتری کے

بُرا آدمی

نادر نے فسیر آباد پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنا سب کچھ بہت چیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اپنی بدنامیاں، اپنی دولت، اپنا زرع، سب کچھ چیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب وہ چیچھے مژ کر دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ رام گذھ سے آیا تھا۔ رام گذھ کے نادر سے تو وہ لوگ بھی واقع ہو جاتے تھے جن کا قیام وہاں ہماری ہوتا تھا۔ نادر رام گذھ کا زوالہ تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ جدھ نادر کی موجودگی کا شہر بھی ہو جاتا ادھر سے مالدار لوگوں کا گزر کم ہی ہوتا تھا۔ رام گذھ کا مالدار طبقہ خصوصیت سے اسے ہوا سمجھتا تھا۔

نادر کون تھا؟ ایک تعلیم یافتہ بدمعاش جو محض اپنی فطری جلاہست کی وجہ سے بدمعاش بن گیا تھا۔ وہ کافی ذہین اور باصلاحیت آدمی تھا۔ اس نے قانون کی زد سے بچتا ہی رہتا تھا۔ مقامی حکام سے بھی اس نے نہیں بکاڑی تھی اور ان کی خدمت ہی کرتا رہتا تھا۔ لہذا اسے کافی چھوٹ مل گئی تھی۔ ویسے وہ اس قسم کے حالات ہی نہیں پیدا ہونے دیتا تھا کہ مقامی حکام کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی۔ وہ علامیہ لوگوں کو لوث لیتا تھا۔ لیکن ایسے حالات پیدا ہونے کے بعد کوہ کسی سے فریاد تک نہ کر سکتے۔

اسی نادر کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا اور اس انقلاب کا بانی صرف ایک جملہ ہوا تھا، جو آج بھی اس کے کافوں میں گونج رہا تھا۔

”اوہ جب وہ فاتح کی حیثیت سے کے میں داخل ہوئے تو انہوں نے

لئے اس نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ رام گنڈھ سے جا رہا ہے اور جب بھی وہ اس کے روپے ادا کرنے کے قابل ہوا بذریعہ متی آرڈر روانہ کروے گا۔ اس شناسانے بھی سمجھا ہو گا کہ شاید وہ نئے میں ہے اس لئے اس نے چپ چاپ طلب کی ہوئی رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی رقم بھی نادر سے ڈرتے تھے۔

نادر کو وہ لباس کاٹ رہا تھا جو پہلے سے اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے قرض کے روپیوں میں سے اپنے لئے معمولی قسم کے ریڈی میڈ کپڑے خریدے اس طرح اس گھنٹن سے نکالتے پائی جو پرانے لباس کی وجہ سے اس کی روح پر طاری تھی۔

پھر وہ نصیر آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔ رام گذھ میں اپنی ساری الامک جوں کی توں چھوڑ کر تھا۔ مختلف بیکوں میں اس کی بڑی بڑی رقابت تھیں لیکن وہ انہیں بھی بھول جانا چاہتا تھا۔

نصیر آباد بیکھ کر اس نے ریلوے کے اس شیڈ میں پناہ لی جوتیسرے درجے کا مسافر خانہ کھلانا تھا اور دوسرے ہی دن سے اس نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔

وہ گریجویٹ تھا اور بنس کا کافی تجربہ بھی رکھتا تھا۔ اس نے ایک ایسی فرم میں اسے
کلرک کی حکمل گئی جو روزی کی تحرارت کرتی تھی۔

تین دن تک وہ اطمینان سے کام کرتا رہا۔ جو تھے دن اچانک فیجر نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔ یہ ایک بھاری جسم اور معمول سے زیادہ جھوٹی آنکھوں والا یورپشین تھا۔ اس نے نادر کو نیچے اور پر تک گھور کر دیکھا اور پھر فون کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”تمہاری کال ہے۔“ ریسیور میز پر پڑا، وہ اخنا نادر نے کاپٹے ہوئے ہاتھ سے اٹھایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں کوئی جان پیچان والا نکل آپا۔

مکالمہ

نادر

”اوہ نا در..... وہی نادر جو منشات کی تاجاری تجارت کرتا ہے۔ رام گندھ والا۔“

لئے ہی دعا میں مانگی تھیں۔

نادر نے یہ سب کچھ سنابچوں کی طرح روپڑا۔ اس
مجموع میں رورہا ہے۔ شاید وہ زندگی میں پہلی بار اس طریقے
روئے کا خیال بھی اس کے ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں
اُسے دوسروں کی گریہ دزاری بھی متاثر نہیں کر سکتی تھی۔
مگر وہی نادر اس وقت بچوں کی طرح رورہا تھا۔

انقام کا وفات نہ جانے کب کا گذر چکا تھا۔ نادر اسی وقت اٹھا جب دوسرے اٹھ رہے تھے۔ یعنی جلد ختم ہو چکا تھا۔

نادر کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ لیکن اسکے قدم گھر ہی کی طرف اٹھتے رہے وہ ایک بڑے اور خوبصورت مکان میں رہتا تھا اس کے پاس کاربھی تھی اور بظاہرہ وہ سور کہا

کا ایک خوشحال برور کر تھا لیکن حقیقتاً سمور کی دلائی برائے نام تھی دولت سیئنے کے ذریعہ نہ دوسرے ملی تھے۔ مثلاً مشیات کی ناجائز تجارت قمار بازی اور فربیب دہی..... وہ ایک چالاک کفر

قاتل بھی تھا۔ اتنا چالاک کہ بھیت قاتل اس کا نام کبھی نہیں لیا جا سکتا۔
اس نادر کی زندگی میں انقلاب کا باñی ایک پیشہ ور واعظ بن گیا وہ واعظ جو آئے دن میں
گراموفون کے ریکارڈ کی طرح اپنی تقریریں دھرا تارہتا تھا اور جو بالکل اسی طرح سنی اور پسند
کی جاتی تھیں جیسے مشاعرے الٹ دینے والے اشعار سنے اور سراہے جاتے ہیں۔ وہی واعظ
یک سوئی ہوئی روح جھگھوڑنے میں کامساں ہو گا تھا۔

”تم نے کسی بات کی تردید بھی تو کی تھی۔“
 ”جی ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم اس فرم کے ساتھ کوئی بلا فرما ذکرنے والے ہو۔ میں نے اس کے اس خیال کی تردید کی تھی۔“
 ”مسٹر نادر۔ ہم ہر حال میں ایماندار آدمی چاہتے ہیں۔“
 ”آپ مجھے ایماندار تن پائیں گے۔“
 ”مگر تمہارا پچھلا ریکارڈ۔“
 ”وہ ریکارڈ میں وہیں چھوڑ آیا ہوں، جہاں سے اس کا تعلق تھا۔“
 ”پھر بھی ہم دیدہ دانستہ کی ایسے آدمی کو نہیں رکھ سکتے جس کا ریکارڈ اتنا خراب ہو۔“
 ”سننے تو سکی۔..... جتاب۔“ نادر ہلکایا۔
 ”نہیں مسٹر نادر۔ میں مجبور ہوں۔“ اس نے پیڈ پر کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو یہاں تیرا دن ہے۔ میں دس دن کی تختواہ کے لئے لکھ رہا ہوں۔ آپ کشیش سے لے لیجھ۔“
 ”میں خیرات نہیں لوں گا۔“ نادر نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”صرف تین دن کی تختواہ کے لئے لکھتے۔ ویسے قانوناً آپ کو ایک ماہ کی تختواہ دینی چاہئے۔“
 ”یہی غنیمت ہے مسٹر نادر کہ ہم آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر رہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ قاتل ہیں۔“ فیجر نے پیڈ سے پرچہ پھاڑ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
 ”میں صرف تین دن کی تختواہ لوں گا۔“ نادر نے فیجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لبجے میں کہا۔ ”اگر آپ پولیس کو میرے قاتل ہونے کی اطلاع دینا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکوں گا نہیں۔ شوق سے دیجھ۔“
 ”بیٹھ جائیے مسٹر نادر۔“ فیجر عجیب انداز میں سکرایا۔ ”آپ تین ہی دن کی تختواہ لیجھے گا اور میں پولیس کو بھی اطلاع نہیں دوں گا۔“
 ”وہ دوسرا پرچہ لکھنے لگا۔ پہلا پرچہ نادر نے میز پر ڈال دیا تھا۔
 فیجر نے دوسرا پرچہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھنے مسٹر نادر اس فرم کا فیجر

”ہاں..... مگر اب نہیں۔“
 ”وہی نادر جو فریب دہی کا ماہر ہے۔“
 ”کچھ دن پہلے کی بات ہے۔“
 ”وہی نادر جو قاتل بھی ہے۔“
 ”میں اس سے بھی انکار نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تم ثابت کر سکو۔“
 ”تم اس فرم کے ساتھ کوئی لمبا فرما ذکر نہیں کرتے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ غلط ہے۔“
 ”تم سے واقف ہو جانے پر کون یقین کرے گا۔“
 ”کرے یا نہ کرے۔“ نادر جھنجلا گیا۔ ”مگر تم کون ہو۔“
 ”ایک ایسا آدمی جس نے تمہیں بہت تریب سے دیکھا ہے۔“
 ”دیکھا ہو گا۔ پھر تم کیا چاہتے ہو۔“
 ”مجھے اس فرم سے ہمدردی ہے۔ میں اس کا نقصان ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ اس سے پہلے میں فیجر سے بھی تمہارے متعلق گفتگو کر چکا ہوں۔“
 نادر کے پیروں تسلی سے زمین نکل گئی۔ وہ کچھ کہنے عی والا تھا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
 نادر نے اپنی پیشانی سے پیسہ پوچھتے ہوئے رسیور کھدیا۔
 ”یہ کیا کہہ رہا تھا مسٹر نادر۔“
 ”بکواس کر رہا تھا۔“ نادر نے جواب دیا۔
 ”مگر شاید تم نے چند باتوں کا اعتراف کیا تھا۔“ فیجر کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔
 ”جی ہاں۔ پچی باتوں کا اعتراف کرنا ہی چاہئے۔“
 ”تو یہ حقیقت ہے کہ تم ایسے ہی ہو جیسا اس نے کہا ہے۔“
 ”ہوں نہیں بلکہ تھا۔ اب مجھ میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے۔“

انظار میں خود بھی چائے نہیں پی۔”
اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور تھوڑی دیر بعد ایک طلازم چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔

چائے کے دوران فیجر نے مغموم لمحہ میں کہا۔ ”یہ دنیا بڑی وابحیات جگہ ہے نادر..... آدمی کو اس کی محنت کا مناسب معاوضہ نہیں ملتا اور پھر بیتھرے الجھاوے بھی ہیں۔ بہتری پاندیاں بھی ہیں۔ مثلاً آپ بے مرمت نہیں ہیں اگر کوئی اخلاق سے پیش آئے تو آپ اس کے لئے مریشیں گے۔ مثلاً میں آپ سے کہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ فلاں کام میرے لئے کبھی تو آپ اُن کی پرواہ کئے بغیر اس کام میں بھڑجا میں گے کہ آپ کو لکھنا معاوضہ مل رہا ہے اور آپ کے اس کام سے اس آدمی کو لکھنا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ بن خوبصورت الفاظ اور محبت آمیز باتوں سے آپ کا تیبا پانچ کرتا رہے گا۔ آپ سوچیں گے کہ آپ کے ساتھ نہ انصافی ہو رہی ہے۔ لیکن آپ کا خلوص آپ کی مرمت یہ گوارا نہیں کرے گی کہ آپ اُن آدمی سے اس کے خلاف احتیاج کر سکیں، جو اپر سے بے حد چکدار اور اندر سے مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں، مجھے لیکن ہے کہ آپ نے پہلے ایمانداری سے زندگی بھر کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر جلا کر فشایت کی ناجائز تجارت پر آت آئے ہوں گے وہو کے بازی اور قمار بازی کو ذریعہ معاش بنایا ہو گا۔“

”ہاں یہ حقیقت تھی۔“ نادر نے سر ہلا کر کہا۔

”مگر اب پھر آپ نیک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں کس موقع پر۔“

”کسی موقع پر بھی نہیں۔ میں اب صرف نیک بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ نیک بننے کے سلسلے میں مجھے کتنے فاقے کرنے پڑیں گے۔ کتنی سنیماں جھیلن پڑیں گی۔“

”آپ پھر بھٹک جائیں گے۔ مجھے لیکن ہے۔“ فیجر نے کہا۔

”میں انہیاں کو کوشش کروں گا۔ آخری سنیماں تک حالات کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔“

ہونے کی حیثیت سے میں آپ کو الگ کر رہا ہوں ورنہ مجھ کا بھی ہے بے حد بہادری تھے۔“
”مکریت“ نادر نے کہا اور امتحانا جاہلیت کے لئے ایک ایسا لفڑی کا نام بھی دیا۔“
”بیٹھے بیٹھے۔“ میں آپ کو بتاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو الگ کرتی تھی بھوتی مجھے برا دکھ ہو رہا ہے۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے میں فرم لیکے نظر و نقش لئے لئے دوسروں کو جواب دہوں۔ اگر یہاں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گئی۔“

”قدرتی بات ہے۔“ نادر نے خٹک لمحہ میں کہا۔

”آپ یقیناً بدول ہو گئے ہیں۔ جن آپ کا لمحہ کہہ رہا ہے۔“ فیجر مکریا کر بولا۔

”لیکن آپ سچا آج ٹیکاں کوئی مجھ سے میرے بیگلے پر مل یعنی شاندید میں آپ کے لئے دوسرا کوئی کام اپنی ذمہ داری پر مہیا کر سکوں۔“

”میں ہمیں بے حد مکروہ ہوں گا جناب۔“ نادر بھی مکریا۔

”میرا پتھر۔“ فیجر نے جیپی سے ایک جھپٹا سا کارڈ نکال کر نادر کی طرف بڑھا دیا۔
”نادر تین دن کی تھوڑا بندروہ روپے لے واپس چلا آیا۔

”ابھی تک اس کا قیام اٹیشن کے مسافر خانے میں تھا۔ ایک چائے والا اس پر مہربان ہو کر اس نے اسے پستہ وغیرہ اختیاط سے رکھنے کی بگولگی تھی۔ دن بھر وہ آفس میں رہتا تھا اور شام کو یہاں چلا آتا۔ پھر تقریباً دوں بیجی رات تک چائے والے کا ہاتھ بٹاتا۔ چائے والے کو پہنچ مل کر کیے اسی نسیبی بہوگی ہمہ روزی یوگی تھی کہ وہ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے لیکن اسے فی الحال چاندنہ پوشاں کی یہ زندگی بھر کرنی پڑ رہی ہے۔

”نادر فتر سے نکلے کے بعد دن بھر ادھر ادھر پھرتا رہا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ فیجر سے گفتگو کے بغیر اٹیشن والیں نہیں چانا جاتا تھا۔“

”شام ہوتے ہی وہ اس کے بیگلے پر پہنچ گیا۔ فیجر نے خلاف تو ق اس کی اسی طرح آڈ بھگت کی جیسے وہ اس کے برابر کا آدمی ہو۔

”لامبے تارے۔“ میں آپ کا منتظر ہی تھا۔ مگر پہلے ہم چائے پیش کے۔ میں نے آپ کے

پیش آئی تھی کہ اس کا ایک دوست اپنی بیوی کو بلبل کہتا تھا۔ وہ اگر نہ کہتا تب بھی وہ فریدی کو کچھ دیر بور کرنا چاہتا تھا۔

مگر فریدی گھر میں نہ ملا۔ نیلم بھی موجود نہیں تھی اور حمید تھائی سے اکتا گیا تھا۔ اس نے اپنے چیتے بکرے کے دو چار دھولیں جما کیں۔ مگر بکرا پھر بکرا ٹھہرا۔ وہ بھی شاندی آج پنک میں تھا۔ ورنہ عموماً وہ حمید کو دیکھتے ہی بچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر اس سے بغل گیر ہونے کی کوشش ضرور کرتا تھا جب وہ بھی موڈ میں نہ آیا تو حمید کسی ایسے کھلنڈر سے بچ کی طرح اداں ہو گیا۔ جس کے سارے ساتھی شام ہو جانے پر اپنے گھروں کو سدھار گئے ہوں۔

جب کوئی مشکلہ بھجھ میں نہ آیا تو اس نے سوچا کیوں نہ اجنبیوں کو فون کر کے انہیں بور کیا جائے۔ ایک ذمہ دار آفیسر سے اس قسم کی حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر وہ حمید تھا۔ اقتدار جو کو کیا کرتا۔

وہ اپنی خواب گاہ میں آیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی لیکن ابھی ورق گردانی ہی شروع کی تھی کہ فون کی گھنٹی بیجی۔

حمدید نے رسیور اٹھالیا۔ وہ سمجھا تھا کہ زیادہ سے زیادہ فریدی کی کال ہو گی، جو شاید آج کے پروگرام کے خلاف آفس چلا گیا تھا۔

لیکن دوسرا طرف سے ایک عورت بول رہی تھی۔ ”ہیلو..... ہیلو..... کرٹل۔“

”کیپشن حمید۔“ حمید نے بُرا اسم نہ بنا کر کہا۔

”اوہ کیپشن خدا کے لئے جلدی آؤ۔ میں کئی پرکش ہوں۔“

”تم کئی پرکش ہو یہ درست بھی ہو سکتا ہے مگر میں کہاں آؤں۔“

”زیلوے ایشیون پارسل آفس..... جلدی..... میں یہاں استثنی ایشیون ماسٹر کے کمرے سے فون کر رہی ہوں اور دو کاشیبل میرے سر پر مسلط ہیں۔“

”تو پھر میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ تباہی کر سکوں گا کہ ان کا نشیلوں کو ترقی داؤ دوں۔“

”خیر.....!“ فیجر نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں نے یہ سوچا تھا کہ میرا سر ماہیہ ہو آپ کا تجربہ۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ہم سے بڑا آدمی اس شہر میں کون ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ نادر نے پلکش جھپکائیں۔

”کوکین کا برسن.....!“ فیجر نے آہستہ سے کہا۔

”اوہ.....!“ نادر یک بیک مضمضل ہو گیا۔ پھر مردہ ہی آواز میں بولا۔ ”میں تو یہ سمجھا تھا آپ مجھے کوئی ایسا کام بتائیں گے جس میں ایمانداری کا سودا ہو گا۔“

”ایمانداری۔“ فیجر غریباً۔ چند لمحے نادر کو گھوٹا رہا پھر بولا۔ ”کیا آپ با غبانی کر سکیں گے۔“

”یقیناً کر سکوں گا۔“

”تو کل سے آ جائیے۔ میرا پائیں باغ بالکل ابڑا پڑا ہے۔ پچاس روپے ماہوار خوراک ملیں گے۔“

”مجھے منظور ہے۔“ نادر خوش ہو کر بولا۔

”لیکن اس سلسلے میں آپ کو ایک معاملہ پر دھنختا کرنے پڑیں گے۔“

”کیا معاہدہ۔“

”تھی کہ اگر آپ نے چھ ماہ گذرانے سے قبل یہ ملازمت ترک کرنی چاہی تو میں آپ جیل میں بھی بچھو اسکوں گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ نادر نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

لاش

کیپشن حمید کو کرٹل فریدی سے پوچھنا تھا کہ بلبل نہ کہے یا مونٹ۔

اس نے وہ سارے گھر میں اسے تلاش کرنا پھر رہا تھا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت بھی یوں

”یہ ایک ایسی لاش کا قصہ ہے جس سے تمہیں ہر حال میں دچپی ہوگی۔“

”لاش....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہا گیا۔

”جلدی....کیپٹن، بہت جلدی۔“

”اچھی بات ہے۔ میں آ رہا ہوں۔ لیکن اگر وہ لوگ تمہیں لے ہی جائے ہوں گے تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔“

”تم کچھ بھی نہ کرنا بس آ جاؤ۔“

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کئی بھی کچھ ایسی غیر دچپی نہیں ہے۔ بوریت کے لمحات گذر ہی جائیں گے۔ مگر یہ لاش۔ خدا غارت کرے قاتلوں کو جو شاعری کی بجائے قتل کرتے پھرتے ہیں۔

اس نے لباس تبدیل کیا۔ گیراج سے ویس نکالی اور جل پڑا۔ نیز اس کی اپنی گاڑی تھی اور

حال ہی میں خریدی گئی تھی۔

اشیش پہنچنے میں درنہیں لگی۔ وہ سیدھا پارسل آفس کی طرف چلا گیا۔ وہاں آئے کئی کانٹیل اور سب انپکٹر نظر آئے۔ یہ دونوں ہی اسے اچھی طرح جانتے تھے کئی وہاں موجود تھی۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی تابوت سے نکل بھاگی ہو۔ زندہ لاش۔

حمدود کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف پکی۔

”کیپٹن میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں۔“

”کیا بات ہے۔“ حمید نے سب انپکٹر سے پوچھا۔

”لاش ہے کیپٹن۔ ہمیں پارسل آفس سے ملی ہے۔ ایک بیٹی سے بدروپھیل رہی ہے وہ فصیر آباد سے کسی مزکر کل اسٹھ کے نام ہے۔ ہم یہاں پہنچنے تھے کہ یہ بھی اپنا پارسل وصول کرنے پہنچ گئے۔ ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں یہ کئی پرکنس ہے۔ ہوری کی کل اسٹھ کی بیوی نہیں ہو سکتی۔“

”میں جانتا ہوں کہ یہ کل اسٹھ کی بیوی ہے۔“

”کوئی بھی ہو۔“ سب انپکٹر نے لاپرواں سے کہا۔ لیکن اس کے نام آئے ہوئے

پارسل میں ایک سڑی ہوئی لاش موجود ہے۔“

”کیوں....!“ حمید نے کئی کی طرف دیکھا۔

”میرے پاس بھی موجود ہے۔“ کئی ہانپتی ہوئی بولی۔ ”اور بچک بھی میں نے فصیر آباد کی ایک فرم سے کچھ سامان ملکوایا تھا۔ پارسل پر بھی اس فرم کا ٹریئیٹ مارک اور پتہ موجود ہے۔“

”کیا سامان تھا.....؟“

”کراکری۔ بچک بھی موجود ہے۔“

”پارسل کھول ڈالا آپ لوگوں نے۔“

”جی ہاں۔ ایک محشریت کی موجودگی میں۔“

”میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

کچھ دری بعد حمید نے لاش دیکھی اور بھوچکارہ گیا۔ کیونکہ وہ کئی کے محبوب جبی کا رٹریک تھی۔

”یہ کب سے غائب تھا۔“ حمید نے کئی سے پوچھا۔

”پہنچلے چدرہ دنوں سے۔ کیپٹن میں کیا کروں۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ مسلسل ایسا تھا کہ وہ کل فریڈی سے مشورہ کئے بغیر اپنی زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ اس نے سب انپکٹروں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ لاش کو اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹائیں جب تک کہ کل بھی اسے نہ دیکھ لیں۔

اب حمید نے فون پر کل فریڈی کو تلاش کرنے کی مہم شروع کی۔

کچھ دری بعد وہ ٹاؤن ہاں کی پیلک لا بیری میں مل گیا۔ اس کی اطلاع کہ وہ ٹاؤن ہاں کی لا بیری میں موجود ہے سارجنٹ ریش سے مل تھی۔

حمدید نے اسے اپنی دریافت سے آگاہ کیا اور یہ دریافت ایسی تھی کہ اس پر فریڈی ہر قسم کے مشاغل فوری طور پر ترک کر سکتا تھا۔

وہ میں منت کے اندر اندر پارسل آفس پہنچ گیا۔

کافی دری تک وہ لاش کا معائنہ کرتا رہا اور پھر اس کے محلے کے ایک پہرث آنے شروع

ہو گئے۔ دونوں سب انپکٹر بڑی طرح بور ہو رہے تھے۔ شاید ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی وہاں سے لاش ہنودیں گے لیکن معاملے نے طوال احتیار کر لی تھی۔ تقریباً نو بجے رات کو لاش اخواںی جا سکی۔ کئی پرکنس حرast میں تھی۔

فریدی نے کرٹل فریدی کو بھی اس کی اطلاع دی لیکن اس نے گفتگو کو آگئے نہیں بڑھنے دیا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ماہ پہلے ہی کئی کو طلاق دے چکا ہے اور اب وہ اس کے ساتھ نہیں رہتی۔

فریدی اور حمید وہاں سے آرچجو میں آئے۔ رات کا کھانا وہ سینہ کھانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ دیسے حمید کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی نے اس کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ کھانے کے لئے وہ گھر بھی جاسکتے تھے۔

کھانے کے دوران میں ایک ویٹر نے کرٹل کو آگاہ کیا کہ اس کی ٹرک کاں آئی ہے۔ فریدی اٹھ کر کاؤٹر کی طرف چلا گیا۔ شاید اس نے اس کاں کے لئے کاؤٹر کلر کو پہلے ہی ہدایت دے دی تھی کہ اگر اس کی کوئی ٹرک کاں آئے تو فوراً اطلاع دی جائے۔ حمید اس کی واپسی کا منتظر رہا۔ کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو اس نے خود ہی اسے یہاں رات کے کھانے کی غرض وغایت بتائی۔

اس نے اشیش میں سے نصیر آباد کے ہی آئی ڈی آفیسر کو فون کر کے کئی پرکنس کے بیان کی تصدیق کرائی تھی اور آفیسر نہ کو آرچجو کے فون نمبر دیئے تھے۔

”فرم نے تصدیق کی ہے کہ کئی کا آرڈر اس کے پاس موجود ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی تفصیل نہیں ہوئی ہے۔ فرم کے مجرمے اس کی تردید کی ہے کہ کئی کو بلی بھیگی گئی تھی یا اطلاع دی گئی تھی کہ اسے مال روائہ کیا جا رہا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”تو پھر کسی نے اس کے متعلق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھایا۔“ حمید بولا۔

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

”مگر....!“

”کہو..... کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”جی کی لاش کوں بھیج سکتا ہے۔ کئی کا کوئی دوسرا عاشق.....!“

”یہ تو کئی ہی بتا سکے گی۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”میں اس آدمی کا نام نہیں لینا چاہتا جس پر مجھے شبہ ہے۔“ حمید بولا۔

”ضرورت بھی نہیں ہے۔“

”لیکن آخ رکار بذھے نے کئی پرکنس کو طلاق ہی دے دی۔“

”یہ بھی ہونا ہی تھا۔ تم کھانا کھاؤ کس چکر میں پڑے ہو۔“

”نہیں یہ چکر تو اب میرے لئے مستقل ہو چکا ہے۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں نہ لے لاجب تک کہ ٹو یوڈا کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل نہ کر دوں۔“

”کھاؤ یا رکیوں خواہ مخواہ اپنا ہاضمہ خراب کر رہے ہو۔ علماء کا قول ہے کہ کچھ کھاتے وقت زبالک نہ کھاؤ۔ ورنہ معدہ چوبٹ ہو جائے گا۔“ فریدی کے لمحے میں تشفیر تھا۔

حمدیت نے اسے محبوس کیا اور کباب ہو کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ٹو یوڈا پسلے میں اس سے جو حماقیں سر زد ہو چکی تھیں ہر وقت نظریں پیچی رکھنے پر مجبور کرتی تھیں۔

لہذا پر اس کا ذہن آج کل صرف حماقتوں کی آماج گاہ بن کر رہ گیا تھا۔ یعنی وہ ہر وقت پیسی

وچمارہ تھا کہ کسی طرح ٹو یوڈا کو مار لے اور اس کی لاش فریدی کی خدمت میں پیش کرتے

ئے اصول سراغ رسانی پر ایک دھواں دھار تقریر بھی جھاڑ دے۔ لیکن اس کے متعلق سوچتے

ہیں اسے ذرہ برابر بھی اس کا خیال نہ آتا کہ ٹو یوڈا محض اس کی وجہ سے نکل جانے میں

ایسا بہا کھا۔

حمدیت خاموشی سے کھانا ختم کیا اور کسی کی پشت سے نکل کر پاپ سلاگا نے لگا۔ وہ

کھارہ تھا کہ ٹرک کاں کے لئے آخر آرچجو کے نمبر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کھانا گھر ہی پر

مل جاسکتا تھا اور کاں بھی وہیں ریسیو کی جا سکتی تھی۔

”یہاں کاں ریسیو کرنے کا کیا مقصد تھا۔“ آخر وہ پوچھنی بیٹھا۔

”گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔“

”کب تک.....!“

”جب تک یہ معلوم کروں کہ ٹویڈا کہاں ہے۔“

”وہ پارسل نصیر آباد سے آیا تھا۔“

”ضروری نہیں ہے کہ ٹویڈا بھی وہیں ہو۔“

”پھر.....!“

”کیا تم نہیں جانتے کہ وہ تقریباً چھ ماہ سے سینی ہے۔ سینی سے مراد ملک ہے دارالسلطنت نہیں ہے۔ وہ یورپ واپس نہیں گیا۔ لیکن وہ تو قبیلے سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس شہر میں ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس نے کئی شہروں میں اپنا جال پھیلا رکھا ہے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سست رہا ہے۔“

”مگر آپ کتنی دیر میں معلوم کریں گے کہ ٹویڈا کہاں ہے۔“ حید نے یوکلا کر پوچھا۔

”ہوسکتا ہے کہ صبح ہو جائے۔“

”یہ بھی ممکن ہے کہ آج سے سورج ہی طلوع ہونا بند ہو جائے۔“ حید نے جلا کر کہا۔ راتوں کی بر بادی اُسے ہری طرح کھل جاتی تھی۔

پکھ دیر بعد فریدی کی لفکن شہر کے ایک گھنے آباد حصے سے گزر رہی تھی اور حید یہ سورج کر بورہ رہا تھا کہ رات گئی۔ فریدی نے تو یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ جانا کہاں ہو گا۔

”یہ تو بتا عی دیجھے کہ آپ کہاں جائیں گے اور یہ معلوم کرنے کا ذریعہ کیا ہو گا کہ ٹویڈا کہاں ہے۔“

”کچھ ایسے آدمیوں پر عرصے سے میری نظر ہے جن پر ٹویڈا کے ایجنت ہونے کا شکر رہا ہو۔“

”لیکن آپ اب تک کیوں خاموش رہے تھے۔“

”صلحت۔ میں چاہتا تھا کہ خاموشی سے ٹویڈا اسکے پہنچ جاؤ۔“ گراب پھر اس نے لکھا۔

”رکنیں شروع کر دی ہیں کہ ان کا فوری تدارک بھی ضروری ہے۔“

”اُس سرمایہ دار کا کیا حشر ہوا جس سے آپ کو یہاں ٹویڈا کی موجودگی کا علم ہوا تھا۔“

”وہ خوش اور متدرست ہے۔ لیکن اب نہ اس کی خوشی برقرارہ سکے گی نہ متدرست۔ کیونکہ

اب میں اس پر بھی شبہ کر رہا ہوں۔“

”کیوں.....!“

”میرا خیال ہے کہ وہ بھی اس بنس میں ٹویڈا کا برادر کا شریک ہے۔“

”کمال ہے۔“ حید نے ہر اس امنہ بنا کر کہا۔ پھر جلا کر بولا۔ ”آپ خواہ مخواہ معاملات کو

طول دے بیٹھے ہیں۔ اگر وہ ٹویڈا کا شریک تھا تو اس نے آپ کو آگاہ کیوں کیا تھا۔“

”قانون کے خوف سے۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر یہ بات کھل گئی تو وہ بتاہ ہو جائے گا۔

اس لئے ایک طرف اس نے اس کے بنس میں شرکت کی تھی اور دوسری طرف مجھے بھی آگاہ کر دیا تھا۔“

”مگر آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچ کے ایسا عی ہوا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اندازے کی غلطی ہو۔“

”ممکن ہے۔ مگر اب تک کام مشاہدہ نہیں کہتا ہے کہ میرا خیال غلط ثابت نہ ہو سکے گا۔“

”کس طرح..... مجھے بھی سمجھا جائے۔“

حید کو اس وقت ٹویڈا سے ذرہ بر ابر بھی لجپی نہ رہ گئی۔ باشیں تو اس نے اس لئے چھیڑ رکھی تھیں کہ کہیں اُسے نیند نہ آجائے اور اسی نیند عی کی وجہ سے اس نے اس وقت ٹویڈا کو

بالکل معاف کر دیا تھا۔ یعنی اگر اتفاق سے ٹویڈا خود عی اُس وقت ہاتھ باندھے ہوئے اس کے

سامنے حاضر ہو جاتا تو حید اس سے یہی کہتا کہ جاؤ تم بھی سوچاؤ۔ صبح میں تم سے انتقام لے لوں گا۔“

”آٹھوں آٹوؤں کے بیانات کی روشنی میں میں نے یہ نظریہ قائم کیا ہے۔“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”جب بھی ان کی پشت پر ”تم آلوہ“ والی ہر نظر آتی ہے ان کا اسی دن کسی نہ کسی وقت اس

سرمایہ دار کیماں تھے ہونا ثابت ہوتا ہے اگر کسی ایک کے بیان سے بھی یہ ظاہر ہو جاتا کہ اس دن اس

سرمایہ دار سے اس کی ملاقات ہی نہیں ہوئی تو میں اُسے مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں ہرگز نہ ڈالتا۔

”بہر حال یہ بھی ابھی قیاس ہی ہے۔“

”میں اتنے دنوں تک صرف اس سرمایہ دار کے خلاف ثبوت اکٹھ کرتا رہا ہوں۔“

”تب تو پھر اُسے قیاس کی حدود سے گزر جانا چاہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ کافر اُنہے بھرتی رہی۔

”بہر حال“ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ ٹویڈ انصیر آباد ہی میں ہے۔“

”اس خیال کے ثبوت میں اگر تم یہ پارسل پیش کرو تو یہ حماقت ہی ہوگی۔“

”ہماری حماقتوں میں ایک اور سی لیکن میں کل ہی نصیر آباد کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔“

”تمہاری مرضی۔ تم عدم آباد کی طرف بھی روانہ ہو سکتے ہو۔ بھلا تمہیں کون روک سکے گا۔“ فریدی نے خنک لجھ میں کہا۔

حمد کچھ نہ بولا۔ فریدی کو بھی علم تھا کہ آج کل حمید کے سر پر ٹویڈ اک بھوت سوار ہے۔

اس لئے ٹویڈ اک متعلق گفتگو کرنے میں بہت زیادہ محاط رہتا تھا۔

کار ایک ایسی بستی میں رکی جہاں زیادہ تر نچلے طبق کے لوگ آباد تھے۔ دو چار بڑی اور

شاندار عمارتیں بھی تھیں۔ فریدی نے کار ایک تاریک گلی میں روکی تھی۔

وہ دنوں اتر آئے۔ فریدی آگے بڑھتا چلا گیا۔ حمید نھوکریں کھاتا ہوا اس کے چیچھے چلتا

رہا۔ کچھ دیر بعد فریدی رکا اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ بائیں جانب والے کسی دروازے پر

دستک دے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اندر سے ایک غرائی ہوئی ہی آواز آئی۔ ”کون ہے۔“

”پھر“ فریدی نے کہا اور حمید نے اس کی آواز بدلتی ہوئی ہی محسوس کی۔

دروازہ ہلکی ہی چڑھاہت کے ساتھ کھل گیا۔

”آ جاؤ..... جابر.....!“ فریدی نے حمید کی طرف مرکر کہا۔

اور پھر وہ دنوں اس تاریک دروازے سے گزر کر ایک ایسے کمرے میں آئے جہاں

یہ دین یہ پ کی دھنڈی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دھنڈا ان کے چیچھے چلنے والا اچھل کر سامنے آئی۔ یہ ایک پستہ قد اور جھریائے ہوئے چیرے والا اوہیز عرا آدمی تھا۔ جسم گھٹلیا تھا۔ آنکھوں پر تیلے پن کا اظہار ہوتا تھا اور دھنڈی روشنی میں اس کی آنکھیں کسی سانپ کی آنکھوں سے مشابہ نظر آ رہی تھیں۔

”تم کون ہو۔“ اس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ اب حمید نے دیکھا کہ اس کی مٹھی میں اپ کلا ہوا چاقو بھی جکڑا ہوا ہے۔

”میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ چاقو زمین پر ڈال دو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس آدمی نے بندر کی طرح چھلا گک لگائی اور سیدھا فریدی پر یہ لگن حمید نے اُسے دوبارہ اچھلتے دیکھا اور وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گرا۔ چاقو کے ہاتھ سے پہلے ہی نکل کر چھت کے ایک شہیر میں پوست ہو گیا تھا۔ حمید فریدی کی نئی انگریز پھرپتی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

روح کے دھبے

نادر کے لئے وہ زندگی بالکل نئی تھی۔ قدم قدم پر دشواریاں سامنے آ کھڑی ہوتیں۔ اب انہر کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں مقیم تھا۔ چھانک کے قریب ملازموں کے لئے تین چھوٹی چھوٹی افریاں بنی ہوئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک میں نادر کو بھی رات بر کرنی ہوتی تھی۔ وہ زمین پر دری ڈال کر لیتا اور اس وقت تک کروٹیں بدلتا رہتا جب تک کہ نیند جسمانی تکالیف پر مکمل نہ ہو جاتی۔ ان دنوں اس کے اندر نیکی اور بدی میں بڑی شدید جگ ہو رہی تھی۔ بکھی وہ پناہ کر اس سے کتنی بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ عیش کی زندگی پر لات مار کر یہاں اس سڑی کی میں لوٹیں لگا رہا ہوں اور کبھی اس کی قوت ارادی کی ضدی بچے کی طرح ان خیالات

سے لپٹ جاتی اور ایسے خیالات دم ہی توڑ دیتے جن کی بنا پر اس کے ڈگل گا جانے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔ وہ سوچتا کہ جو قوت ارادی اسے جرام کی طرف لے گئی تھی وہی اس کے اندر ہونے والے کشمکش کا خاتمه بھی ایک دن کریں دے گی۔

وہ محسوں کرتا کہ غلط قسم کی ذہنی ترغیبات کا مقابلہ کر کے وہ اپنی شخصیت میں بھاری پناہ اضافہ کرتا ہے۔ ایسے موقع پر اسے خود بھی اپنی روح کی پاکیزگی کا احساس ہونے لگتا۔ ایسا معلوم ہوتا چیز ہے کہ کسی گندی اور گھنٹی پیدا کرنے والی کوہری سے نکل کر کھلی ہوا میں آگیا ہو، ویسے اس کا جسم تو اس وقت ایک گندی ہی اور نجک و ناریک کوہری میں مقید تھا۔ لیکن روز بیکار و سعتوں کی نورانی فضاوں میں پرواز کر رہی تھی۔ ابھی دس ہی بجے تھے لیکن کوہری کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹے کی سائیں سائیں کھڑ رہی تھی کہ رات آدمی سے زیادہ گذر چکی ہے۔ نادر کروٹیں بدل رہا تھا۔ نیند آم سائی سے نہیں آتی تھی کیونکہ پھر میلے فرش پر گدیلوں کا عادی جسم پھوڑا ہن جاتا تھا اور جب تکلیف کا احساس زیادہ ہو جاتا تو اس کا ذہن فرار پر آمادہ نظر آنے لگتا۔ اسے اپنا آرام دہ بستریاد آتا۔ وہ بوتلیں یاد آتیں جو اس آرام دہ بستر پر بھی اکثر بے خوابی کا بہترین علاج ثابت ہوا کرتی تھیں۔

وہ بوتلیں یاد آتیں اور نادر غیر شعوری طور پر کسی نہ نیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگتا۔ مگر پھر اچانک اس کے ذہن میں واعظ کے الفاظ گوئخے لگتے۔

”وہ لوگ تنکی اور سچائی کا علم بلند کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ اس لئے ان کی راہوں میں کائنے بچھائے گئے۔ انہیں عرب کے ریگزاروں کی تیقی ہوئی ریت پر ڈال دیا جاتا اور سینوں پر بڑے وزنی پھر رکھ دیئے جاتے پھر ان سے کہا جاتا کہ وہ دوبارہ اسی اندھیرے میں لوٹ جائیں مگر اب کون تھا جو انہیں ان کی پر نور را ہوں سے ہٹا سکتا۔“

”مجھے بھی کوئی نہیں ہٹا سکتا۔“ نادر اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر بُر بُر اتا اور اس طرح سر کو

جنگل دینے لگتا چیزے ان خیالات کو ذہن سے بھاڑ دینا چاہتا ہو۔

اس وقت بھی کروٹیں بدلتے بدلتے اسے انہیں یوتکوں کا خیال آگیا تھا اور وہ اپنی ان بے کیف راتوں کے متعلق سوچ رہا تھا جب اس کی خواب گاہ میں کوئی عورت نہیں ہوتی تھی۔ کتنی مصیبت تھے نیند آتی تھی۔ ان راتوں میں اسے اتنی پینی پڑتی تھی کہ بلا خر غودگی کے جبوکے آہستہ آہستہ سے سلاہی دیتے تھے۔

اچانک کسی نے کوہری کے دروازے پر دستک دی اور نادر اچھل کر بیٹھ گیا۔

دستک برابر جاری رہی۔ اس نے اٹھ کر کنڈی گرائی اور دروازہ کھول دیا۔ اندھیرے میں اسے کسی عورت کا دھندا لاسا ہیولا نظر آیا۔

”تم سور ہے تھے شاید۔“ اس نے شیجر کی نوجوان یوی سلویا کی آواز سنی۔ ”مح..... حنی نہیں۔“

”دیکھو..... اندر شامد فیوز اڑ گیا ہے۔ بالکل اندر ہیرا ہے۔ صاحب بھی نہیں ہے اور ”سرے تو کر میٹر کو ہاتھ لگاتے ڈرتے ہیں۔“

”بہت اچھا..... میں دیکھتا ہوں۔“ نادر کو اڑ بھیڑ کر باہر نکل آیا۔

پھر وہ اس کے ساتھ عمارت میں آیا۔ عمارت کے قریب بیٹھ کر جیب سے دیا سلائی نکالی اور اسے دیکھتا ہوا بولا۔ ”آپ ذرا ایک سلائی کھینچئے۔ میں میٹر کھوٹا ہوں۔“ فیوز حقیقتاً اڑ گیا تھا۔ اسی جگہ اسے تار کا چھوٹا سا چھا بھی مل گیا۔ میں سوچ آف کر کے اس نے فیوز واڑ لگایا اور پھر کچھ دیر بعد روشنی ہو گئی۔

”سردی بہت ہے۔“ سلویا نے کہا۔ ”اگر تم کافی بینا چاہو تو پکن میں چلو۔ میں کافی ہی بنا رہی تھی کہ یک بیک اندر ہو گیا۔“

”پ..... پی لوں گا مادام.....!“

”آؤ۔“ وہ دوسرا طرف مڑتی ہوئی بولی۔ سلویا کافی حسین اور متناسب الاعضاء تھی اور اس کے چلنے کا اندر اتنا لکش تھا کہ نادر بھی کئی بار اسے لچائی ہوئی نظروں سے دیکھ چکا تھا اور

اس وقت تو اس کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔

میجر گھر پر موجود نہیں تھا۔ دونوں نوکر اپنی کوٹھریوں میں سوئے پڑے ہوئے تھے اور اسے کافی پلانے کے لئے پکن میں لے جا رہی تھی۔

بحدے اور بے ہنگ جسم والا میجر اس بڑھلائی کو کیا خوش رکھ سکتا ہوگا۔ نادر نے سوچا۔ یہ چلتی بجاتے آئے گی..... چلکی بجاتے..... نادر کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھتی رہیں اور انہیں ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ پکن میں آ کر اس نے ایک اشول کی طرف اشارہ کیا اور خود الماری نے سے پیالیاں نکالنے لگی۔

نادر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔ سلویا کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ اسے ہڑپ کر جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ عورتوں کا پرانا شکاری تھا۔ انتہائی شاطر اور جرا کامیاب ہو جانے والا۔ عموماً عورتیں خود ہی اس پر پھسل جاتی تھیں۔

اس نے ”پیالیاں نکال کر میز پر رکھ دیں۔“

”کافی میں شکر کم پیتے ہو یا زیادہ۔“

”کم مادام....!“

”اچھا....!“ وہ شکر ڈال کر پیالی میں کافی اندر یتھی ہوئی بولی۔ ”تم بہت رومنی کے ساتھ انگریزی بول سکتے ہو اور قواعد کی بھی غلطی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ تم کافی پڑھ لکھ آدمیوں کے طرح انگریزی بول سکتے ہو۔“

”ہاں..... مادام....!“ نادر نے ایک طویل سانس لی۔

”پھر تم کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے ہاتھوں سے بھی نہیں معلوم کہ تم نے کبھی باغبانی کی ہو۔ تمہارے ہاتھ دوست مند طبقے کے لوگوں کے سے ہیں۔“

”بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے مادام....!“

”تم آخر اس پیشے کو کیوں پسند کرتے ہو۔“

”تیر دزگاری کا زمانہ ہے مادام۔ پہلے میں نے آفسوں ہی کی خاک چھانی تھی۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”عجیب کیوں مادام....!“

”تم جیسا آدمی اور ملازمت حاصل نہ کر سکے۔“

”مجھے چیز ہزاروں اس شہر میں چوٹیاں سنکھاتے پھرتے ہیں۔“

”کچھ بھی ہو۔ نہ جانے کیوں تمہیں کہاں چلاتے دیکھ کر مجھے بڑے کوفت ہوتی ہے۔“

”مگر میں تو بہت خوش ہوں مادام۔“

”اسی لئے تو مجھے کوفت ہوتی ہے کہ تم چیزے با حوصلہ آدمی کی اتنی بے قدری ہو رہی ہے۔ میں نے صاحب سے کہا ہے کہ وہ اپنے آفس میں تمہیں کوئی معقول ہی جگہ دلوادیں۔“

”بہت بہت شکریہ مادام۔“

اس نے کافی بنا کر نادر کی طرف پیالی کھکھلا دی۔ نادر نے شکریہ ادا کر کے کپ میز سے اٹھا لیا۔ کافی کے دو ہنی تین گھونتوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں، ورنہ اب اس کی پلکن نہیں کے دباو سے کچھ بو جھل ہو چل تھیں۔

”تمہارے دسرے اعڑہ کہاں ہیں۔“ سلویا نے پوچھا۔

”کوئی بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ کہیں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔“

”بیوی۔“

”بیوی بھی نہیں ہے۔ میں نے شادی ہی نہیں کی تھی۔“

”یہ اور بھی افسوس ناک ہے۔ اسی لئے تو تم ڈھنگ کے کام نہیں کر سکتے۔“

نادر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس ڈھب سے گفتگو کرے کہ زیادہ محنت کے بغیر یہ خوش رنگ چڑیا جال میں پھنس ہی جائے۔

سلویا سر جھکائے کافی پی رہی تھی۔

وھنڑا وہ پیالی میز پر رکھ کر بولی۔

”مگر میں کیسے یقین کروں کہ تم نے جو کچھ بھی کہا ہے صحیح کہا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا مادام۔“

”کیا تم صاحب کو بہت عرصہ سے نہیں جانتے۔“
”نہیں مادام۔“

”ہاہا۔“ وہ انگلی اٹھا کر فہمی۔ ”پکڑ لیا چور۔“
نادر بھی مسکرا دیا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔

”کیا تم صاحب کے ساتھ جو انہیں کھیلتے تھے۔“
”نہیں مادام۔ قلعی نہیں۔“

”جھوٹے ہوتے۔“

”مجھے انہوں نے مادام کر میں آپ کو یقین نہ دلا سکوں گا۔“ نادر نے ناخنگوار لجھے میں کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ تم جوئے میں ہار گئے ہو گے اور پھر تمہیں خود کو داؤ پر لگادیا پڑا ہو گا۔“
نادر نے پلکن جھپکا کیں۔ سلویا کا لہجہ ایسا نہیں تھا جس پر مزاح کا گمان تک ہو سکتا۔

”میں اپنی زندگی میں کبھی نہیں ہارا مادام اور میں نے سیکڑوں کی گرد نیں پکڑ کر انہیں
داؤ پر لگادیا ہے۔ گر کیا صاحب ایسے ہی کھیل کھیلتے ہیں۔“

”صاحب۔“ سلویا کی بُنی بہت تنخی تھی۔

”مجھے بتائیے مادام۔“

”خود کیکھ لو گے شاید تم چھ ماہ کے لئے خود کو ہارے ہو۔“

”کیوں۔ یہ کیسے کہا آپ نے۔“

”تم ذکرہ کیا تھا کہ تم کم از کم چھ ماہ تک یہاں کام کرو گے۔“

”لیکن یہ ہار جیت کیسی ہے۔ یقین کیجئے مادام میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔“

سلویا اسے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ”اگر تم نے ملازمت ہی کی ہے تو
میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ معابدے کی پرواہ کے بغیر یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ۔“

”کیوں مادام۔“

”بلی یہ مشورہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔“

”عبد اللہ میرا شیوہ نہیں ہے مادام۔“ نادر نے کہا اور اس جملے کے ساتھ ہی واعظ کی آواز اس کے کافوں میں گونجنے لگی، جو اسے یکی اور سچائی کی طرف بلا رحم تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں پیچی کر لیں اور سوچنے لگا کہ اب اسے یہاں سے فوراً بھاگنا چاہئے۔ کیونکہ کچھ در پہلے وہ اس عورت کے شکار کی ایکیم مرتب کرتا رہا تھا۔ اس نے سوچا اگر اس کے قدم ڈال گئے تو اب تک کی ساری محنت خاک کا ڈھیر ہو جائے گی۔

سلویا کہہ رہی تھی ”میں تمہیں کوئی ذہین آدمی سمجھی تھی گر تم بالکل بے وقوف معلوم ہوتے ہو۔ لو اور کافی لو۔“

نادر نے غیر ارادی طور پر بیانی اس کی طرف بڑھا دی اور آہستہ سے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا مادام کہ آپ اپنے شوہر کے متعلق ایسے بُرے خیالات کیوں رکھتی ہیں۔“

”سنو۔“ وہ اپنی آنکھیں بند کر کے آہستہ سے بولی۔ ”ایک پرندے کو قفس میں بند کر کے دنیا کی غمیں اس کے لئے سہیا کر دو لیکن کیا وہ پرندہ تمہیں دعا میں دے گا۔“

”میں نہیں سمجھا مادام۔“

”میں اپنے شوہر کو گالیاں دیتی ہوں لیکن اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی کہانی تم خارش ڈدھ کتیوں کو بھی سناؤ مجھے پرواہ نہیں ہو گی۔ پھر میں دل کی بھڑاس کیوں نہ کالوں۔ وہ بلاشبہ میرا شوہر ہے میں اس سے انکار نہیں کر سکتی۔ لیکن مجھے یہ حق حاصل نہیں کر سکتی۔“

”کیوں۔ آپ عدالت کا دروازہ ٹکھنٹھا سکتی ہیں مادام۔“

”ہاں۔ میں ایک خالم شوہر سے چھکا را پا سکتی ہوں۔ مگر نہیں پاسکتی کیونکہ اگر اس کا خیال بھی دل میں لا لی تو میرا بوڑھا بپ چھانی پا جائے گا۔“

”آپ کی باتیں عجیب ہیں مادام۔“

”مگر اتنی چھوٹی عمر میں شادی کی اجازت قانون کب دیتا ہے۔“ نادر نے کہا۔
”یہ نہ پوچھو۔“ سلویا نے سر جھکائے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”میں تفصیل میں نہیں جانا
چاہتی۔ شادی تو اس وقت ہوئی تھی جب میں قانونی طور پر بالغ ہوئی تھی۔“

”اوہ.....!“ نادر اپنے ہوتوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کا ذہن اب اس کہانی کے بعد
کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلت کر کہا۔ ”تو کیا..... آپ کے باپ
نے اس کی بعد خبر نہیں لی تھی۔“

”وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رہتا تھا۔ مگر چھانی سے ڈرتا تھا۔ اس نے مجھے یقین
دلایا تھا کہ اگر میں نے اس کا تذکرہ کسی سے بھی کیا تو میرا شہر اسے چھانی کے تنخوا تک پہنچا
دے گا اور میں نے اپنے شوہر کی زبان سے بھی یہ دھمکی سنی تھی۔ اس وقت تک اس نے مجھے
زبان نہیں کھولنے دی جب تک کہ باقاعدہ طور پر ہماری شادی نہیں ہو گئی۔“

”اور آپ تیرہ سال کی عمر سے اس وقت تک اس کے ساتھ ہی رہی تھیں۔“ نادر نے
پوچھا۔ اس کا ذہن پھر بھکنے لگا تھا۔ وہ پھر بھول گیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا چلن بدل دینے کا عہد
کر چکا ہے۔

”ہاں..... میں اُسی کے ساتھ رہتی تھی۔“ سلویا نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ
چھپالیا۔

نادر کی آنکھوں سے درندگی جماں کر رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اب
عقاب اس نئے سے پرندے پر جھپٹ پڑے گا۔

مگر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بوی۔ ”خدا کیکھ رہا ہے۔ ایک نہ ایک دن میں گن گن کر
بلے چکاؤں گی۔ میرا باپ مجبور ہے۔ میں مجبور ہوں۔ لیکن وہ مجبور نہیں ہے جس نے مجھے اور
مرے باپ کو پیدا کیا تھا۔“

نادر کے کافوں میں گھنٹیاں سی بجے گیں۔ اتنی تیز گھنٹیاں کہ اب اُسے سلویا کی آواز نہیں
ٹالی دے رہی تھی۔ ”خدا مجبور نہیں ہے..... خدا مجبور نہیں ہے۔“ ان گھنٹیوں کی آواز کے

”آہ۔ وہ یقیناً عجیب ہیں۔ اگر میرا باپ جواری نہ ہوتا تو تمہیں اتنی عجیب باتیں نہ سنی
پڑتیں۔ جب میں تیرہ سال کی تھی تو میرا باپ مجھے جوئے میں ہار گیا تھا۔“
”میرے خدا۔“ نادر ہکا بکارہ گیا۔

”میرا شوہر میرے باپ کو پہلے بھی کسی معاملے میں بلیک میل کرتا رہا تھا۔ ایک رات
دونوں جو اکھیل رہے تھے۔ میرا باپ ہارتا چلا گیا۔ سب کچھ ہار گیا۔ میرے شوہر نے کہا کہ اب
وہ مجھے داؤ پر لگادے اگر قسمت نے یاوری کی تو وہ اپنا سب کچھ واپس لے جائے گا۔ میرا باپ
نئے میں تھا اس نے سوچا ممکن ہے کہ وہ آخری داؤں ہاری ہوئی پوچھی واپس دلا دے۔ اس نے
یہی کیا اور مجھے بھی ہار گیا۔“

وہ خاموش ہو گئی اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”میرا باپ بیچارا اُسے مذاق سمجھا تھا
لیکن جیتنے والا دوسرا دن ہمارے گھر آپنچا۔ اس وقت میری عمر صرف تیرہ سال تھی، مار
بچپن ہی میں مرچکی تھی۔ ہم دونوں کے علاوہ گھر میں کوئی تیرا نہیں تھا۔ اس زمانے میں میں
اردو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ وہ میرے باپ سے اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں بھی وہی موجود تھی اور
حالانکہ ان کی باتیں نہیں سمجھ سکتی تھی۔ لیکن اس کا احساس ہو گیا تھا کہ میرا باپ بہت زیادہ خائف
نظر آ رہا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد دونوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت صرف اتنا ہی جانتی
تھی کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔ پھر دونوں نے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔ اس
کے بعد مجھے بتایا گیا کہ میرا باپ کچھ دنوں کے لئے ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہے اور
مجھے اس وقت تک اس کے ساتھ ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جب تک کہ میرا باپ واپس نہ آ جائے
میں کیسے انکار کر سکتی تھی۔ جب کہ اُسے بہت دنوں سے جانتی تھی اور انکل کہہ کر مخاطب کرتی
تھی۔ میں اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔“

سلویا نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

نادر کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ لئے اور پیالی میز
رکھ دی۔

دریان کوئی جیج رہا تھا۔

”یقیناً خدا مجبور نہیں ہے۔“ نادر کی آواز سے پکن گونج اٹھا۔ ”مادام میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اس دلدل سے نکال لوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کا شوہر کتنا طاقتور اور چالاک ہے۔“ ”تم.....!“ سلویا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”ہو سکتا ہے کہ تم حق کہہ رہے ہو۔ مگر کیا تم بھی اس کی قیمت نہ طلب کرو گے۔“

”مجھے غلط نہ سمجھئے مادام۔“ نادر نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ ”میں یقیناً اس کی قیمت طلب کروں گا مگر آپ سے نہیں اس کی قیمت تو میں اپنی روح کے ان تاریک دھبیوں سے طلب کروں گا جو مجھے دوبارہ انہیں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔“

قیدی کی جیج

فریدی نے اس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا۔

”اوپر کون کون ہے۔“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔ پھر اس آدمی نے دوبارہ تیور بدے ہی تھے کہ فریدی نے اسے دیوار پر رگڑتے ہوئے کہا۔ ”اگر تمہاری آواز بلند ہوئی تو جان سے مار دوں گا۔ اوپر کون کون ہے۔“

”تم کون ہو۔“

اس نے اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے اگر اس کی شکل نہ دکھائی دی تو وہ اس کا کچھ بھی نہ بکاڑ سکے گا۔

”بولو.....!“ فریدی نے اس کے گریبان کو جھکا دیا۔

”چپاں، ایڈگر اور روپی۔“

فریدی نے پھر اسے جھکا دیا اور وہ فرش پر گر کر آہستہ سے کراہا۔

”حمدتم اسے دیکھو میں ابھی آیا۔“ فریدی نے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کوٹھری سے نکلتے ہی سامنے زیبے نظر آئے اور وہ دبے پاؤں اور پرچھتہ چلا گیا۔ زینے ایک دروازے پر ختم ہوئے اور فریدی رک گیا۔

دروازے کی جھریاں روشن تھیں اور اندر سے ہٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

فریدی نے اندازہ کر لیا کہ دروازہ صرف بھڑا ہوا ہے بولٹ نہیں کیا گیا۔ یہیک اس نے دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر کے قبیلے اس طرح ساکت ہو گئے تھے جیسے وہاں کوئی بم گرا ہو۔ دو مرد اور ایک یوریشن لڑکی ایک میز کے قریب ہکابا کھڑے تھے جیسے ہی مرد نے جیب کی طرف ہاتھ لے جانا چاہا فریدی کی دلہنی جیب سے فائز ہوا اور میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل چور ہو گئی۔

”وارنک۔“ فریدی بیان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔ اب جیب کے ایک سوراخ سے ریو الور کی نال جھاکنک رہی تھی جو ایک لمحہ پہلے ریو الور ہی نے بنایا تھا۔

تینوں نے اپنے ہاتھ اور پر اٹھا دیئے۔
یوریشین لڑکی بڑی طرح کانپ رہی تھی۔

دفعتاً اُن میں سے ایک نے غرا کر کہا۔ ”میں اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا کرٹ۔“
”تم ابھی طرح سمجھتے ہو جپاں۔“

”اگر ہم غریب ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں..... کہ۔“

”اوہ ہو.....! میں تمہاری غریبی کا دکھڑا سننے نہیں آیا۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غریب آدمی بیش وابستہ ہارس ہی پیتے ہیں اور کافی مہنگی طواطفیں ان کے پہلو گرماتی ہیں۔“

”مگر یہ طریقہ غیر قانونی ہے، جو آپ نے اختیار کیا ہے۔“ دوسرا آدمی بولا۔

”ہاں ایڈگر..... جہاں قانون سمجھے بے بس نظر آتا ہے وہاں میں اس کی مدد اسی طرح کرتا ہوں۔“

”عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔“ جپاں آنکھیں نکال کر بولا۔

”کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ جپال نے لکھنے کے کی طرح اپنے ہونتوں کی نماش کی۔ لیکن لڑکی اس کی جھلائی کو نظر انداز کر کے آگے ہی بڑھتی رہی۔
”روبی۔“ ایڈگر نے اسے ڈانٹا۔

”شبلاش روپی۔ تم قانون کی مدد کرنے جا رہی ہو۔ تم ایک اچھی شہری ہو۔“ فریدی نے کہا۔ روپی نے ان کے قریب پہنچ کر ان کی جیسوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ وہ دونوں ہی اسے ہرا بھلا کہہ رہے تھے۔

فریدی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دونوں ہی کے پاس ریوالور موجود تھے۔ روپی انہیں جیسوں سے نکال کر قریب آئی۔ فریدی نے باہمی ہاتھ سے انہیں سنہال کر پہلوں کی جیب میں ڈال لیا اور لڑکی سے بولا۔ ”اب تم نیچے چلی جاؤ۔ زینے کے سامنے والی کوٹھری میں میرا انتظار کرنا۔ شبابش۔“

لڑکی خاموشی سے زینے پر اتر گئی۔ فریدی نے اپناریوالوں کی جیب میں ڈال لیا اور مکرا کر بولا۔ ”اب دوستانہ فضائیں بات چیت ہو سکے گی۔“
ان دونوں نے اپنے ہاتھ گردایے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔
”نہیں میٹھیں گے۔“ جپال نے عصیلے لمحے میں جواب دیا۔
”میری بات ہے۔ بچوں کی طرح خندنہیں کرتے۔“

”اور لڑکوں کے سامنے دوسروں کو دیسل کرتے ہیں۔“ جپال غایا۔

”تم نے اس کی نوبت ہی کیوں آنے دی تھی۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ”اب لڑکی کل تمہارے کان کھائے گی کہ تو یوڈا اسکی جانور کا نام ہے۔“

”دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اچھی بات نہیں ہے۔“
”کیا تم نے کبھی یہ بات اپنے سورما ٹوڈا کو کبھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔“
”ہم کی ٹوڈا کو نہیں جانتے۔“ ایڈگر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ خواہ جوہا شریف لڑکی ڈگکھاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی۔

”اس طرح کی کوشش ضرور کرنا کہ مجھے عدالت میں جواب دہونا پڑے۔“
”آخ رآپ چاہتے کیا ہیں۔“ ایڈگر نے عصیلے لمحے میں پوچھا۔
”ٹویڈا کا پتہ۔“

”ٹویڈا۔“ جپال نے پلکیں جھپکا میں جیسے فریدی نہ اق کر رہا ہو۔
”ہاں.....ٹویڈا کے بیچے بھی تمہیں بتا سکوں گا۔“
”آپ ضرور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔“ ایڈگر بڑھ پڑا۔

”اکثر میری غلط فہمیاں بھی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔“
”تم خواہ جوہا اپنے الفاظ ضائع کر رہے ہو۔“ جپال نے ایڈگر سے کہا۔
”لڑکی تم پیچھے ہٹ جاؤ۔“ فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر یوریشن لڑکی کو مخاطب کیا اور کھکھتی ہوئی دیوار سے جاگی۔

”آپ مقصد کیا ہے۔“ جپال بُرا سامنہ بنا کر غرامی۔
”مقصد پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اس لئے اب زبان کو تکلیف نہیں دوں گا۔“
”آپ خواہ جوہا جھگڑا کر رہے ہیں جناب۔“ ایڈگر بڑھ دیا۔
”محوری ہے۔ میں اس وقت ٹویڈا کا پتہ معلوم کئے بغیر وابس نہیں جاؤں گا۔“
”اچھی بات ہے تو معلوم کر لیجئے۔ ویسے یہ پہلے ہی کہا جا پکا ہے کہ ہم کسی ٹویڈا سے واقف نہیں ہیں۔“

”لڑکی آگے بڑھو اور ان دونوں کی جیسوں سے ریوالور نکال کر میرے قریب آؤ۔“
فریدی نے کہا۔ مگر لڑکی دیوار سے گلی ہوئی صرف کانپتی رہی۔
جپال نے لڑکی کو گھور کر دیکھا۔

”اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تو پہلے خسارے میں رہو گی۔“ فریدی نے پھر اسے مخاطب کیا۔
لڑکی ڈگکھاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی۔

شہریوں کی تفریخ میں خلل انداز ہوتے ہیں۔

”مجھے خوشی ہے کہ اس خلل اندازی کے سلسلے میں چند شریف شہریوں کے نیاز حاصل ہو گئے۔“
جپال بیٹھ گیا اور ایڈی بھی بیٹھنے والی تھا کہ دعطا فریدی نے خود کر مار کر میز المٹ دیا۔
دونوں گالیاں بکتے ہوئے دوسرا طرف المٹ گئے۔

پھر فریدی نے انہیں اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔ ان میں سے کسی پر لاتیں پڑ رہی تھیں اور
کسی پر گھونے برس رہے تھے۔
ذرائعی سی دیر میں دونوں کے کس مل نکل گئے۔

”میں اسی رفتار سے تمہیں رات بھر پیٹ سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔
وہ کچھ نہ بولے۔ ویسے دونوں ہی غصے سے بدحال ہو رہے تھے۔

فریدی نے انہیں فرش سے اٹھا کر کر سیوں میں دھملیں دیا اور خود بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں
تمہیں صرف پدرہ منٹ دیتا ہوں اس کے بعد بھرنیں کہہ سکتا کہ کیا ہو گا۔ میں صرف اتنا معلوم
کرنا چاہتا ہوں کہ آجکل ٹویڈا کہاں ہے۔ صحیح پتہ تو خیر تمہارے فرشتے بھی نہ جانتے ہوں گے۔“
ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

یک بیک جپال بولا۔ ”اب میں کچھ بتا سکوں گا۔ اگر پہلے ہی یہ یقین ہو جاتا کہ آپ
صحیح پتے پر مصروف ہوں گے تو اتناسب کچھ نہ ہونے پاتا۔ میں سمجھا تھا کہ آپ صحیح پتے پوچھ رہے
ہیں۔ مگر خیر آپ جانتے ہیں کہ صحیح پتے کا علم ہمیں نہیں ہے۔“

”کم سے کم الفاظ استعمال کرو۔“

”وہ نصیر آباد میں ہے۔“

”تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”آپ کی مصروفیات پر نظر رکھنا ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔“

”یہ بات تم نے غلط نہیں کہی۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ میں نصیر
آباد میں اس کی موجودگی تسلیم نہ کر لوں۔“

”مگر آپ کی یہ زیادتیاں۔“ جپال ہاغتا ہوا بولا۔ ”کبھی نہ کبھی آپ کو بڑی مشکلات میں
بتلا کر دیں گی۔“

”یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے، جس کا تذکرہ خصوصیت سے کیا جائے۔“ فریدی اٹھتا
ہوا بولا۔ ”اچھا اب تم آرام کرو۔“

لیکن وہ ابھی پوری طرح مرا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھوں کے قریب ایک چمک سی
ہوائی۔ وہ اچھل کر چیخھے ہٹ گیا۔ ایڈگر کا بھیکھا ہوا چاٹو روڑاڑے میں پیوست ہو گیا تھا۔

”خوب“ فریدی پر سکون انداز میں سکرایا۔ ”نی الحال میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں اندر
کروں۔ لیکن اب مجبوری ہے۔ ایڈگر میرے قریب آؤ۔“

”اب تو نے یہ کیا کیا ایڈی کے بچے۔“ جپال دھماڑ۔

”بچے عموماً ڈیڈی کے ہوا کرتے ہیں۔“ فریدی تخریج آمیز لمحے میں بولا۔ ”اٹھوایڈا کر تمہیں
بھکڑیاں پہنچنی پڑیں گی۔ صرف تمہیں۔“

”اوہ کرکل دیکھنے یہ نئے میں ہے۔“ جپال نے کہا۔

”کچھ بھی ہو۔ یہ بھکڑیاں ضرور پہنے گا۔ اس لئے نہیں کہ ٹویڈا کا ساتھی ہے بلکہ اس
لئے کہ اس نے مجھ پر دھوکے سے حملہ کیا ہے۔ ٹویڈا یا اس کے ساتھیوں کی مجھے ذرہ برابر پرواہ
نہیں ہے۔“

ایڈگر جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

”چلو.....!“ فریدی غریباً۔

”کیا بھوت ہے کہ میں نے چاٹو پہنچانا تھا۔“ ایڈگر بھراں ہوئی آواز میں بولا۔

”تمہارا جگری دوست جپال عدالت میں شہادت دے گا۔“

”اوہ..... دیکھنے کرکل۔“ جپال ہکلایا۔ ”مم..... مجھے تو آپ معاف ہی رکھئے۔“

”چلو مجھے منظور ہے۔ خیر میں کسی طرح بھی ثابت کر دوں گا۔ مگر تم چپ چاپ بھکڑیاں
پہن لو۔ درستہ یہ بھی جانتے ہو کہ میں مارتے مارتے ختم بھی کر سکتا ہوں۔“

ایڈگر خاموشی سے قریب چلا آیا۔ فریدی نے جیب سے بلکل بھکڑیوں کا جوڑا انکالا اور ایڈگر کے ہاتھوں میں لگادیا۔ جپال انگریزی میں بڑا رہا تھا۔ ”میں کیا کر سکتا ہوں ایڈگر۔ تم مجھے الزام نہیں دے سکتے۔ میں نے کب کہا تھا کہ تم کرٹل پر چاقو پھینک مارو۔ کرتل تو بڑا شریف آدمی ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ ہم ٹویڈا کے ساتھی ہیں ہمیں چھوڑ کر جا رہا تھا۔“

فریدی نے ہلاکا سا قہقہہ لٹا کر کہا۔ ”تم غلط سمجھے جپال۔ اگر یہ چاقونہ پھینکتا تو مجھے بڑی ماہی ہوتی۔ کیا ایڈگر ہی تم لوگوں کا لیڈر نہیں ہے۔ کیا اس نے ہی تمہیں ٹویڈا کے لئے ملازم نہیں رکھا تھا۔“

”اوہ.....آپ۔“

”خاموش جپال۔“ ایڈگر غریباً۔

”ہاہا۔“ فریدی کا قہقہہ کافی اوپنجی آواز میں تھا۔ ”اب مزید حماقتیں نہ کرو ایڈگر۔“

”آپ پتہ نہیں کس پکڑ میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”میں نے کوشش نہیں کی بلکہ تم خود ہی پھنس گئے ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سمجھ لو۔ میں نہیں چاہتا کہ دھوکے میں رہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اب تم

مجھے ٹویڈا کا سچی پتہ بھی بتاؤ گے۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”مگر چاقو تمہارے اس بیان کی تردید کر رہا ہے۔“ فریدی نے دروازے میں گڑے ہوئے چاقو کی طرف انگلی اٹھائی۔ ”یہ چاقو کہہ رہا ہے کہ تم ٹویڈا کے سچی پتے سے واقف ہو اور یہ بھی درست ہے کہ ٹویڈا نصیر آباد میں ہے اور تم ٹویڈا کے ان آدمیوں میں سے ہو جنہیں۔“

سرکس کے جاؤ کی طرح چاک مار کر ٹرینگ دیتا ہے۔

ایڈگر کا چہرہ تاریک ہو گیا اور فریدی نے کہا۔ ”جپال ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔“

ٹویڈا کے چاک کی شکل دیکھے چکے ہیں۔ ورنہ وہ بھی مجھے کچا چا جانے کی کوشش کرتا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

ایڈگر کچھ نہ بولا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح چبارا رہا تھا جیسے وہ بے جان ہو گیا ہو۔

فریدی نے چاقو رومال سے کپڑا کر دروازے سے کھینچا اور رومال ہی میں لپیٹ کر احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ پھر ایڈگر کو دروازے کی طرف دھکا دے کر بولا۔

”چلو..... زندگی میں ایسے موقع بھی آتے ہیں جب انجمنی شاطر قسم کے لوگ بھی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔“

دروازے سے اُسے نکال کر فریدی نے دروازہ بند کیا اور اُسے باہر سے بولٹ کرتا ہوا بلدا آواز میں بولا۔ ”جپال کچھ دیر بعد تمہارا آدمی اوپر آ کر تمہیں بھی نکالے گا۔“

زینے طے کر کے وہ کوٹھری میں آئے جہاں حمید نے یوریشن لڑکی کو روک رکھا تھا اور یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ بے حد عاشق مزاج ہے۔ لیکن اس وقت اس کی کوئی خدمت نہ کر سکے گا کیونکہ ڈیوٹی پر ہے۔

”لوگی اب تم جاسکتی ہو۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔

”بہت بہت شکر یہ جتاب۔“ لڑکی نے کہا اور لڑکھڑا تھے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئی۔

اب فریدی نے اس آدمی کو مخاطب کیا جس نے ان کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

”تم اب اوپر جاؤ۔ جپال تمہارا منتظر ہے اور شکر کرو کہ تم دونوں ہی ایڈگر ہی کی طرح نہیں لے جائے جا رہے۔“

وہ آدمی چپ چاپ زینوں کی طرف مڑ گیا۔

وہ لگی میں آگئے۔ ایڈگر آگے تھا اور وہ دونوں اس کے پیچے چل رہے تھے۔

”غنا ایڈگر نے کہا۔“ تمہیں پچھتا پڑے گا کرٹل۔“

”چل بے۔“ حمید غریباً۔ ”ورنہ وہ ہاتھ رسید کروں گا کہ آئندہ نسلیں بھی بگنی پیدا ہوں گی۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تو اب یہ چاہتا ہوں کہ ٹویڈا جھ سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ اس نے مجھے حکمی دی ہے کہ مجھے قتل کے بغیر واپس یورپ نہ جائے گا۔“
”اگر اس نے حکمی دی تھی تو اسے ضرور پورا کرے گا۔ آپ کو مطمئن رہنا چاہئے۔“
”میں بالکل مطمئن ہوں۔“

”اوہ..... خیر۔“

کار فریدی کے مکان سے قریب ہی تھی کہ اپنے بچھلے پیٹے کا تار ایک زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ چھٹ گیا۔ حمید اگر فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو اس رفتار پر اس کے الٹ جانے کے امکانات بعد نہ ہوتے۔

باہر انہیں اتھا۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے اترے اور زمین پر ریک گئے مگر کچھ دور آگے ہٹکنے کے بعد ہی انہوں نے ایٹرگر کی جیخ سنی اور پھر وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔
فریدی نے فائز کیا لیکن آواز دور ہوتی چلی گئی۔
”ایٹرگر ختم ہو گیا۔“ فریدی آہستہ سے بڑھا گیا۔

دوسرا شکار

ایٹرگر داعی ختم ہو چکا تھا لیکن حمید اس سے ذرہ برا بر بھی مٹاڑ نہیں نظر آ رہا تھا۔
”کار کاستیا ناس کر دیا مردود نہ۔“ وہ بڑھ لیا کیونکہ بچھلی سیٹ پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔
ایٹرگر کی پشت میں دستے تک ایک خبر پوست نظر آیا۔ لیکن فریدی اس کی طرف دھیان ریسے بغیر ڈیش بوڑ کے اس حصے پر جھک پڑا جہاں ٹرانسمیٹر پوشیدہ تھا۔
”ہیلو..... تھریٹن..... تھریٹن..... ہیلو تھریٹن۔“ دیکھو جسپاں جہاں رات کو ملتا ہے اس مکان کو گھر لو۔ جسپاں اور اس کے ساتھی کو زندہ نکالنا ہے۔ احتیاط بہت احتیاط۔ ہو سکتا ہے کہ

”بد کلامی بہت کرو۔“ فریدی بولا۔
”بہت بہتر لیکن اس سے بھی کہئے کہ اپنی زبان قابو میں رکھے ورنہ میرے ہاتھ بھی بے قابو ہو سکتے ہیں۔“

وہ کارٹک آئے۔

”امشیر کرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور حمید آگے جا بیٹھا۔ فریدی ایٹرگر کے ساتھ بچھلی نشست پر چلا آیا۔ کار جل پڑی۔

”تم میری خجی قید میں رہنا چاہتے ہو یا پولیس کی حوالات میں۔“ فریدی نے ایٹرگر سے پوچھا۔
”میں اب اپنی زبان قطعی بند رکھوں گا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تمہاری زبان اب قطعی بند ہو جائے گی۔ اس لئے پولیس کی حوالات میں تمہیں آرام نہیں مل سکے گا۔ کیونکہ وہ لوگ چوپیں گھنٹوں میں صرف تین گھنٹے ملزموں کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچاتے ہیں۔ تم خود سوچو کہ وہ آرام کیسا ہو گا۔ تم سونا چاہو گے لیکن کوشش کے باوجود بھی نہ سوکو گے۔ مگر تمہیں کیا بتاتا تمہیں تو پہلے ہی سے تجربہ ہو گا۔“

ایٹرگر کچھ نہ بولا۔

”نہیں اسے میری نگرانی میں دیجئے۔“ حمید نے کہا۔

”یہ ٹویڈا کا صحیح پتہ جانتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تب تو میں اسے چھاڑ کھاؤں گا۔ میری استدعا ہے کہ اسے میرے حوالے کر دیجئے۔“
”میرے خلاف کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہو سکے گی۔“ ایٹرگر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”دیکھیا تمہیں علم نہیں ہے کہ ٹویڈا کے سلسلے میں مجھے مخصوص احکام ملے ہیں یعنی اگر میں چاہوں تو تمہیں سڑک پر نشگا کر کے تم پر نہڑوں کی بارش کر دوں۔ قانون دور کھڑا مسکراتا رہے گا۔ یہ قانون صدر جمہوریہ کے خصوصی اختیارات کے ساتھ مجھ تک پہنچا ہے کیا سمجھے۔“

”لیکن کرتا۔“ اس نے کہا۔ ”اگر تم یہ جانتے ہو کہ ٹویڈا کے ہاتھ سے چاپک کھانے والوں میں سے ہوں تو میرا مجبوں کرنا کتنا خطرناک ثابت ہو گا۔“

تمہاری گمراہی میں کوئی اسے ختم کر دے۔ فوراً ایک منٹ ضائع کئے بغیر وہاں پہنچو۔ بہت عطا طریقہ رہنا۔ اور۔“

”آس اپلیں۔“ فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”گاڑی سینیں چھوڑو۔ اسے بھی سینیں پڑا رہے دو۔ ہم گھر کے قریب ہی ہیں۔“

حمدیاں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس طرح نہ جانا چاہتا ہو۔ ”آس اپ جسپال کو پہلے ہی کیوں چھوڑ آئے تھے۔“ اس نے پوچھا۔

”جسپال بیکار ثابت ہوتا۔ وہ ٹویڈا کا پتہ نہ بتا سکتا۔“

”تو پھر اسے گھرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”اب وہ محض اس نے ختم کر دیا جائے گا کہ میری راہ میں دشواریاں حائل ہوں۔ جسپال کے بغیر یہ ثابت کرنا دشوار ہو جائے گا کہ میں اسے ٹویڈا ہی کے لئے لایا تھا اور پھر اگر یہ واقعہ میرے گھر کے قریب پیش نہ آیا ہوتا تو خیر اتنی بھی فکر نہ ہوتی۔ بہر حال دیے بھی اگر جسپال مار ڈالا گیا تو مجھے انہوں ہو گا۔“

”اوہ تو جواب دی سے بچنے کے لئے آپ جسپال کو زندہ چاہتے ہیں۔“
”یقیناً۔ ٹویڈا معمولی ذہانت کا آدمی نہیں ہے۔ اس نے مقابلہ ہو تو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہتے۔“

وہ کچھ دیر بعد کوئی کی کپڑا غمیں داخل ہوئے۔

فریدی سیدھا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔ وہاں سے شاید اس نے فون کیا تھا اور حمید کو توکروں نے اطلاع دی کہ قاسم بہت دیر سے اس کا انتظار ڈرائیکٹ روم میں کر رہا ہے۔ حمید نے گھری دیکھی ایک نجگر رہا تھا۔

”تم نے اتنی دیر تک اسے نہیں کیوں دیا۔“ حمید ایک نوکر پر چڑھ دوڑا۔

”ہم کیا کرتے صاحب۔ وہ کہر ہے تھے کہ ملاقات کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔“

”آہم..... اچھا دفعہ ہو جاؤ۔“

حالانکہ حمید بہت زیادہ تحکما ہوا تھا مگر قاسم کا نام اسے ڈرائیکٹ روم کی طرف لے لئی گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تھوڑی تھکنہ میں اترے گی لیکن ڈرائیکٹ روم کے قریب پہنچ کر اس نے قاسم کے خرائے نے۔

قاسم ایک صوف پر دراز تھا اور اس کی تو نہ کسی تحرک گلبہ کا سام پیش کر رہی تھی۔ منہ کھلا ہوا تھا اور خرائے خضامیں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

”ابے او... لمڈھیگ۔“ حمید نے اس کی ران میں گھٹھنا مارا۔

”خرم... خرم... داد... م..... واو... م.....!“ قاسم نے منہ چلاتے ہوئے کروٹ بدلتے۔ حمید نے اس کی تو نہ پر دھمکڑ چلانے شروع کرے۔

”انگے۔“ دفتراً قاسم نے آنکھیں کھولیں اور پھر ”انگے انگے“ کرتا ہی چلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی گھٹھی بندھ گئی ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پچوشن سختی سے قاصر ہو۔ اس کی ”انگے انگے“ کے ساتھ ہی حمید کے دھمکڑ بھی چلتے رہے۔ آخر بڑی مشکل سے قاسم کو ہوش آیا اور وہ انھیں بیٹھا اور اس کے بیٹھنے کے سلسلے میں اس کا پورا جسم کی تحرک پہاڑ کی طرح گھوم کر رہا گیا۔ اگر حمید اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ کسی جنگلی بھینی سے ٹکرانے کے بعد آدمی کتنی دیر تک اپنی محبوہ کا نام یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

”ہا میں..... میں قہاں۔“ قاسم چاروں طرف دیکھ کر بڑھ رہا ہوا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”کیا بجاہے۔“

اس کی آداز نیند کے دباو سے کچھ بھرائی ہوئی تھی۔ اس نے الفاظ صوتی اعتبار سے کافی ”گاڑھے“ ہو کر اس کی زبان سے پھسل رہے تھے۔

”ایک بجاہے۔“ حمید اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”اے باپ رے۔ غاڑی نقل غئی۔“ وہ آنکھیں نکال گر تو نہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”ابے یہ غاڑی کیا بلا ہے۔ جو نقل غئی۔“

”الا قسم... حمید بھائی میں سالا ہوں ہی بد قسمت....!“ وہ فجتا رو دینے والی آواز میں بولا۔

”سالے ہو سکتے ہو مگر بد قسمت نہیں۔“ حمید نے تھج کی۔

”کیسے ہو سکتا ہوں سالا۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

”چونکہ تم اپنی بیوی کو بیوی تسلیم نہیں کرتے اس لئے کسی نہ کسی کے سامنے ضرور ہو گے۔“

”وہ قیسے نہیں بتاؤ۔ میں بھی تو سنوں۔“

”پہلے تم بتاؤ غازی کیا ہے۔“

”ریلوے ٹرین۔ میں نے گازی کہا تھا۔ اس لئے تم بھی کسی کے سامنے ضرور ہو گے۔“ قاسم نے اس طرح آنکھیں چکا کر کہا جیسے وہ بدل لینے میں کامیاب ہو گیا۔

”مر رہے تھے تم اس صوفے پر گازی کہاں کی تکلیفی۔“

”ہائے وہیں کی۔“ قاسم دونوں ہاتھوں سے کلیج دبا کر گوپ اتنا سلیں میں مسکرایا۔ ”وہیں کی گازی جہاں وہ..... بب..... بب..... مل گکا ولی رہتی ہے۔ فونو دیکھو گے۔“

”کیا بک رہے ہو۔ مل گکا ولی کیا بلا ہے۔“

”ابے پھر کچھ اور کہتے ہوں گے۔ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ پیارے۔“ قاسم بڑے اپنے موڑ میں تھا۔

”آہا یہ گل بکاؤ لی اٹھاکائی گئی ہے۔“

”جیو..... حمید بھائی۔ میری جان..... وہی وہی میں بھول غایا تھا۔ اب تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ اب کبھی نہ کہتا کہ لوغڑیاں مجھے لفٹ نہیں دیتیں۔“

”کیا مطلب۔“ حمید نے پلکش جھپکا میں۔

”مطلوب۔“ قاسم اسے گھوٹا ہوا اپنی جیسیں ٹوٹنے لگا۔ کچھ درج بعد ایک لفافہ نکلا۔“ لفافے سے برآمد ہونے والی چیز ایک تصویر تھی۔ کسی دلکش لاکی کی تصویر جس کے نیچے انگریزی میں ”لوی پاگریو“ تحریر تھا۔

حمید نے اسے دیکھا اور پھر استغفار میں انداز میں قاسم کی طرف دیکھنے لگا۔

”بولا کیسی ہے۔“

”کوئی خاص نہیں۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔

”ابے جاؤ۔“ قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”بڑے آئے کہیں کے۔ ابے تم لوغڑیاں کے پوچھدھری ہو؟“

”یہ ہے کون۔“ حمید نے زم لجھ میں پوچھا۔

”ڈارلنگ آف مالی ہارٹ..... ہاہا.....!“ قاسم سینے پر دھنھ مار کر دھاڑا۔ ”تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ یہ صرف میری تصویر دیکھ کر رہی ہی۔ ہی ہی۔ ہی ہی۔“

”قاسم یہ شریقوں سے ملنے کا وقت نہیں ہے۔“

”یار سنو تو سکتا۔ اب تو میری گاڑی بھی چھوٹ گئی ہو گی۔ میں اسی سے ملنے کے لئے نصیر آباد جا رہا تھا۔“

”ضرور جارہے ہو گے۔ لیکن میرا دماغ چاٹنے کیوں آگئے۔“

”تم ہمیں بتانا تھا کہ دیکھو۔ دیکھو۔ ہائے۔ کتنی بے کرار۔ قرار ہو گی۔“

حمدید چند لمحے اسے گھوٹا رہا پھر بولا۔ ”تم اس سے ملنے کے لئے نصیر آباد جا رہے تھے لیکن یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی۔“

”کہاں سے ملی۔ ارے خود اسی نے بھی۔ میری تصویر دیکھی تھی۔ ہاں تم نہیں جانتے۔ میں نے یہاں ایک بار ایک اسکول کے جلسے کی شدارت کی تھی۔“

”شدارت.....!“

”ابے ہاں..... شدارت ہی تو کہتے ہیں۔ وہ جو ایک کری پر بٹھا دیا جاتا ہے اور لوگ جناب شدر کہتے ہیں اسے۔ وہ سالا کیا ہوتا ہے۔“

”ابے صدر..... ذیوٹ۔“

”چلو وہی ہو گا۔ ہاں تو میں جلسے کا وہی بنایا گیا تھا اور میں نے میں ہزار روپیہ چندہ دیا تھا اسی اسکول کے میگر یہیں میں میری تصویر چھپی تھی۔ لوی پاگریو ڈارلنگ نے میری تصویر دیکھ کر

مجھے ایک خط لکھا۔ ہائے حمید بھائی الاقنم لکھتی ہے جام..... ظالم کہ آپ کی تصویر اتنی اچھی لگی کہ آپ کو دوست بنانے کو دل چاہتا ہے۔ میرے پن فرینڈ بن جائیے۔ ابے بس۔ پھر میں اس کا پن فرینڈ بن گیا۔ کیا خط لکھتی ہے۔ ہائے۔ پھر اپنی تصویر بیچ دی اور حمید بھائی تم چکد۔ چند ہو۔ بالکل اتنی فس کلاس لوغ زیادت نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب میں اس سے ملنے جا رہا ہوں نصیر آباد۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید بھائی سانس لے کر بولا۔ ”جاو۔۔۔ اگر اس کی کوئی خالہ والا بھی ہو تو مجھے بھی اطلاع دینا۔“

”قوی؟“

”بس اب جاؤ۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

”بھگاتے ہو۔“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

”ذہین۔ التجا کرتا ہوں۔ تم سے تھوڑی دیر گفتگو کر لینے کے بعد یہی محسوس ہونے لگتا ہے جیسے کھوپڑی کے اندر کھس کے علاوہ آور کچھ نہ ہو۔“

”تم میری بہت توہین کرنے لگے ہو۔“ قاسم نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”خیر میں بھی دیکھوں گا۔“

”مگر تم اس وقت یہاں کیون آئے تھے۔“

”میں اشیش سے تمہارے پاس آیا تھا۔ احسان فروش۔“

”احسان فراموش۔“

”ٹھیک ہے۔“ قاسم جھلا گیا۔ کچھ بھی ہو مگر تم وابیات آدمی ہو۔ دو کوڑی کے۔“

”اچھا تم اشیش گئے تھے۔ نصیر آباد جانے کے لئے پھر تمہیں خیال آیا کہ حمید کو تو بور کیا ہی نہیں۔“

”ابے بس جنم میں جاؤ۔“ قاسم کسی لاکا بھیمارن کی طرح ہاتھ ہلا کر باہر نکل گیا۔

حمدی خواب گاہ کی طرف جانے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ فریدی ڈرائیکٹر روم میں داخل

ہوا۔ اس کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

”میری بلیک فورس کے آدمی ناکام رہے۔“ اس نے کہا۔

”کیوں؟“

”جچاں نہیں ملا۔ اس کا دوسرا ساتھی زخمی حالت میں وہیں بے ہوش پایا گیا ہے۔“

”تو پھر اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اسکا ساتھی ٹو یو ڈا کے نام سے بھی واقع نہ ہو گا۔“

”تمہارا خیال صحیح ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دراصل مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو سمجھنے میں دھوکا کھایا تھا۔ وہ بھی حقیقتاً ٹو یو ڈا کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔“

”پھر آپ کیا سمجھے تھے۔“

”میں اسے صرف کوئی پیشہ در لڑکی سمجھا تھا۔“

”کیپٹن حمید کو ایسے موقع پر فرماؤش نہ کیا کیجئے۔“ حمید خیریہ انداز میں مسکرا یا۔

”آپ بھی تو جھک ہی مارتے رہے۔“ فریدی نے خنک لبھے میں کہا ”وہ کافی دریک آپ کے ساتھ رہی تھی۔“

”میں سمجھا تھا شاید وہ چھٹی پر ہے۔“

”بکواس نہ کرو۔“ فریدی بڑھ رہا ہے۔ ”وہ کم جنت نکلت پر نکلت دے رہا ہے۔“

”جب تک میرے مشورے پر عمل نہ کیجئے گا یہی ہوتا رہے گا۔“

”فرمائیے۔“

”بس ایک طرف سے بزن۔ جن لوگوں پر شبہ بھی ہو جائے کہ یہ ٹو یو ڈا کے آدمی ہیں ان میں ہر اس پھیلایے۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“

”بس تھوڑی سی سنسنی۔ ٹو یو ڈا جیسے لوگوں کو مرعوب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”فضول۔ وہ مرعوب ہونے کی بجائے اسے میری کمزوری پر محول کرے گا۔“

”زیادہ سوچتا بھی بعض اوقات بیکار ثابت ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا لاش لاش لگا رکھی ہے۔“

”اچھا جی۔“ قاسم اسے گھورنے لگا۔ ”ابے اے سراغ رسائی کے پنج۔ تم لاث صاحب نہیں ہو۔ میں ابھی آئی جی صاحب کو فون کرتا ہوں کہ جمید نے مجھے ذرا نے کے لئے ایک آدنی کا خون کر دیا۔ لاش پھانک پر پڑی ہوئی ہے۔“

”کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔“

”اچھا..... اچھا میں دیکھ لوں گا۔“ قاسم غرایا اور جانے کے لئے مڑا۔ گراس بار جمید بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پورچ سے کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ثارچ روشن کر لی کیونکہ پورچ سے پھانک کی طرف جانے والی روشن کا کچھ حصہ تاریک تھا۔ شاید قاسم کو علم نہیں تھا کہ جمید اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ اس نے وہ اپنے آگے ثارچ کی روشنی دیکھ کر رک گیا۔
”تیوں..... اب کیوں دوڑے آئے۔“ اس نے کہا۔

”مجھے شبہ ہے کہ تم نے کوئی لاش ضرور دیکھی ہے۔“

”تمہارے شبے کی ایسی کی تیسی۔ تم واپس جاؤ۔ میں لاش کو پھلانگ سلتا ہوں۔“
”تم تو اپنے باپ کو بھی پھلانگ سلتے ہو۔“

”کیا مطلب۔ اس جملے کا مطلب سمجھاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“

”مطلوب ایک پرچے پر لکھ کر تمہارے باپ ہی کو بھجوادوں گا۔ وہ یہ معلوم کر کے بے حد فرش ہوں گے کہ پاٹی زادے ایک لڑکی کے چکر میں نصیر آباد تشریف لے گئے ہیں۔“

”الا قسم اگر تم نے کسی کو بتایا تو اچھا نہ ہوگا۔“

”تم آگے چلو۔ ہلکو ورنہ۔“

”ابے چل تو رہا ہوں۔“ قاسم جھلا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ”ابے پیارے سنو۔ کسی سے نہ کہہ نہ کرتا۔ اچھا..... میں اب تم سے کبھی جھگڑا نہ کروں گا۔“

”لاش کہاں ہے۔“

”ٹھیک ہے لاش۔ میری بات کا جواب دو۔“

”تمہارا خیال غلط ہے۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ سوچنا کبھی بیکار ثابت نہیں ہو سکتا۔“
”بلیں تو پھر سوچ سوچ کر اسے مارڈا لئے۔“

”شاید تم پر نیند سوار ہے۔“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”بھی ہاں۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔“

”تم نہیں سو سکو گے۔“

”کیوں؟“

”بس میری مرضی۔ میں آج.....!“

جلہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک ملازم نے اطلاع دی کہ خواب گاہ میں فون کی گھنٹی نہ رہی ہے۔

فریدی چلا گیا اور جمید کپڑوں سمیت ایک صوف پر دراز ہو گیا۔ ارادہ یہی تھا کہ وہ اسی طرح سو جائے گا۔ آنکھیں بھی بند کر لیں مگر دوسرے ہی لمحے میں اس نے قاسم کی بھراں ہوں کی آواز سنی۔ ”جمید بھائی۔ سو گئے کیا۔“

”کیا ہے۔“ جمید پھاڑ کھانے کے سے انداز میں اٹھ بیٹھا۔

”کھفا کیوں ہوتے ہو پیارے۔ میں نے کہا مجھے گھنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ابے ایک

کیا دل اشیں میری راہ میں چکنکاو دسکھوں کو رومندا ہوا نکل جاؤں گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ جمید نے پلکیں بھپکائیں۔

”آہا..... اب اور گھسو گے۔ ابے پتہ نہیں کیا خیال کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تمہیں تو رگڑ میں ڈالوں گا۔“

”میں تمہیں کتوں سے نچوڑاں ہوں گا۔ ورنہ ہوش میں رہ کر گفتگو کرو۔“

”ابے میں تمہارے کتوں سے نہیں ڈرتا۔ ذرا کا لوقا بہر سالوں کو میں بھی تو دیکھوں کیسے ہیں۔“

”تم واپس کیوں آئے۔“

”اور نہیں تو کیا اس لاش پر بیٹھ کر تمہارے نام کرو دتا۔“

سے کھو اچھتا تھا۔ ایک کنارے کھڑے ہو کر تھا پھیٹنے وہ سروں پر پھسلتی ہوئی دوسرے کنارے پر جا گئے گی۔

نادر سر جھکائے ہوئے ایک طرف چلے لگا۔ لیکن اچانک اسے ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی ٹانگوں میں ٹاگ پھنسنا کر دھکا دیا ہو۔ وہ منہ کے بل را مگردوں پر آیا۔ بھیڑ کائی کی طرح پھٹنی اور دوسرا ہی لمحے میں وہ پتھریلی فٹ پا تھے پر تھا۔

پھر اس کی پرداہ کئے بغیر ہی وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا کہ پیشانی میں کتنی چوت آئی تھی۔ ان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لوگ رک گئے تھے۔ کچھ بڑا رہے تھے اور کچھ بہن رہے تھے۔ ان میں سے کسی کی بھی آنکھوں میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات نہیں نظر آئے۔

نادر کا دل چاہا کہ وہیں قتل عام شروع کر دے۔ لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھا اور پھر چل پڑا۔ لیکن اس کے ذہن میں آندھیاں کی اٹھ رہی تھیں۔ اگر صرف یہروں میں کسی کی ٹاگ لگ جانے ہی کا معاملہ ہوتا تو وہ اسے اتفاق سمجھ کر چپ ہو رہتا مگر اسے تو اچھی طرح یاد ہتا کہ کسی نے اسے دھکا بھی دیا تھا۔ اس کا ذہن کشت و خون کی باشیں سوچ رہا تھا۔ مگر پھر کیک بیک خیال آیا کہ وہ اپنی زندگی کی راہ بدل ڈکا ہے، اسے صبر سے کام لینا چاہئے۔

وہ ملبوسات کی اس دوکان میں واپس آیا جہاں سلویا کو چھوڑ کر بیچ خریدنے گیا تھا۔ سلویا یہاں کچھ کپڑے خریدنے کے لئے رکی تھی۔

”تم بہت جلد واپس آگئے۔“

”ہاں مادام صرف بیچ ہی تو خریدنے تھے۔“

کپڑے خرید کر سلویا بھی باہر نکل آئی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی آشنی ایک گلی میں پارک کی تھی۔

جیسے ہی وہ گلی میں داخل ہونے لگی نادر کا سر چکرا گیا کیونکہ کھوبڑی پر پڑنے والا ہاتھ اتنی عقاوتوں سے پڑا تھا ”پٹائخ“ کی آواز شاید دور دنکھ پھیلی تھی۔ وہ غرما تھا ہوا پلٹ پڑا لیکن وہ کس کا ہاتھ کپڑا کر کہتا کہ وہ حرکت اسی کی تھی۔ بہتیرے لوگ تو بالکل ہی بے تعقانہ انداز میں رکھنے کی جگہ بھی مشکل سے نظر آتی تھی۔ نصیر آباد صدر کی شامیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ کھو

جمید خود ہی آگے بڑھ گیا۔ لیکن قاسم نے جھک کر اس کی کمر پکڑ لی۔ جمید نے اس کی توڑ پر کہنی ماری اور قاسم ”سی“ کر کے رہ گیا۔

”یار واقعی بڑے سور ہوتم جمید بھائی۔ مگر اچھا یہاں۔ اب اپنی کمر چھڑا لو تو جانوں، سیلہ گھڑی کی طرح توڑ کر کہ دوں گا۔“

جمید زور لگانے لگا۔ مگر وہ آدمی کی گرفت کب تھی۔ دیے جمید یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے کہیں چوت آجائے، ورنہ قاسم تو کسی ارنے بھینسے کی طرح ذکرا کر چت ہو جاتا۔

”دہاں کون ہے۔“ دفعتاً پورچ کی طرح سے فریدی کی گردار آواز آئی اور قاسم نے جمید کی کمر چھوڑ دی۔ جمید تیر کی طرح پچانک پر پہنچا اور پارچ روشن کی۔

پچانک کے پاس ہی ایک لاش راست روکے پڑی تھی۔

”لاش....!“ جمید چیخا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی فریدی اسے بتا رہا تھا کہ وہ جسپاں کی لاش تھی۔

قاسم جا پکا تھا۔

”وہ نو یو ڈا کی ٹرنک کاں تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”نصیر آباد سے۔ اس نے کہا ہے کہ“ اسی طرح مجھے کچھ دن ذلیل کر کے آخ کار ختم کر دے گا۔“

”میں کل ہی نصیر آباد جاؤں گا۔“ جمید نے جلا کر کہا۔ ”دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔“

فریدی بھی رہا تھا۔

ابحث

نادر پھولوں کے بیچ خرید کر دوکان سے باہر آیا۔ اس وقت صدر کے فٹ پا تھوں پر رکھنے کی جگہ بھی مشکل سے نظر آتی تھی۔ نصیر آباد صدر کی شامیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ کھو

اس نامعلوم دشمن نے صاحب کو میری بچھلی زندگی سے آگاہ کر دیا تھا اس لئے انہوں نے مجھے
فتر سے الگ کر دیا۔ لیکن وعدہ کیا کہ میرے لئے کہیں کوئی دوسرا کام تلاش کر دیں گے۔ میں
صاحب سے بُنگلے پر ملا۔ آپ جانتی ہیں۔ انہوں نے میرے لئے کون سا کام تجویز کیا تھا۔“

”نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

”انہوں نے تجویز چیز کی تھی کہ سرمایہ ان کا ہوگا اور محنت میری۔ میں کوئی اور دوسری
نشیات کی غیر قانونی تجارت کروں۔“

”اوہ..... پھر.....!“

”میں نے انکار کر دیا مادام۔ میں نے کہا میں باعزت طور پر جائز وسائل سے اپنے لئے
روزی کمائنا چاہتا ہوں۔ لیکن پر جھلا کر انہوں نے با غبانی کی تجویز پیش کی، جسے میں نے بخوبی
ظفر کر لیا۔ لیکن انہوں نے چھ ماہ کے مقابلے کی شرط رکھی میں اس پر بھی تیار ہو گیا اور آپ
نگھے اتنے دنوں سے دیکھ رہی ہیں کہ میں کتنی محنت سے کام کر رہا ہوں۔“

سلویا فوراً میںی کچھ نہ بولی۔ نادر بھی خاموش ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد سلویا نے کہا۔ ”میں اپنے صاحب سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس لئے
من تمہاری کہانی کو نہ حیرت انگیز سمجھ کرکی ہوں اور نہ غلط قرار دے سکتی ہوں۔ مگر یہ سن کر حیرت
ہوں ہے کہ تم بھی بُرے آدمی بھی تھے۔“

”نگھے اعتراف ہے محترمہ کہ میں بہت بُرا آدمی تھا۔“

”تم پر قتل کا الزام تو نہیں ہے۔“ فاختا سلویا نے چونک کر پوچھا اور نادر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔
”آپ مطمئن رہئے مادام۔ میں روپوش ملزموں میں سے نہیں ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا
کہ میں نے خود کو پولیس سے چھانے کے لئے آپ کے بُنگلے میں پناہ لی ہے اور اگر آپ کو شہر
لٹا ہے تو مجھے پولیس اشیش لے چلے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ پولیس والے میرا نام سنتے ہی
محنت سے آنکھیں پھاڑ دیں گے۔ لیکن اگر وہ مجھے حرامت میں لے گئیں تو مجھے وہیں گولی
اٹے گا۔ اس سے صرف اتنا ہی ہوگا کہ نصیر آباد کی پولیس ہوشیار ہو جائے گی اور سرکاری طور

گذر رہے تھے اور کچھ اسے اس لئے گھور رہے تھے کہ اس کے تیچھے ہی ایک حسین سی یورپیں
عورت کھڑی تھی۔

”چلو کیوں وقت بر باد کر رہے ہو۔“ سلویا نے کہا۔

”نج..... جی ہاں۔ چلے مادام۔“ نادر نے حسینے ہوئے لبھے میں کہا۔

سلویا اسٹریٹ میگ کے سامنے بیٹھ گئی اور نادر سامان اٹھائے ہوئے بچھلی نشست پر آمدی۔
کارگلی سے نکلی اور سلویا نے ناخنگوار لبھے میں کہا۔ ”مجھے اتنے بے تکلف دوست قطعی پسند نہیں
ہیں، جو سر راہ بے عزتی کر رہیں۔ تم خود سوچ یہ کتنی بُری بات تھی۔ لوگ مجھے کیسی نظر وہ سے
دیکھ رکھے تھے۔ میں اب تمہیں اپنے ساتھ کبھی باہر نہ لے جاؤں گی۔ سوچ سوچ کر شرم محسوس
ہو رہی ہے۔“

”یقین کیجئے مادام۔“ نادر نے ٹھنڈی سانس لے نکر کہا۔ ”یہاں نصیر آباد میں میرا کوئی
شناختی نہیں ہے۔ میں ابھی حال ہی میں رام گڑھ سے آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ کوئی نامعلوم
آدمی یہاں میرا دشمن ہو گیا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب میں یعنی خرید کرفٹ پاٹھ پر آیا تھا تو
کسی نے مجھے دھکا دے کر گرایا بھی تھا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ سلویا کے لبھے میں بے اعتباری تھی۔ ”مگر تم خود سوچ کر کتنی بُری بات ہے۔“

”یقیناً بُری بات ہے مادام۔ لیکن میں نے ابھی جو کچھ بھی کہا ہے اس میں ذرہ برابر بھی
جمحوٹ نہیں۔“

سلویا کچھ نہ بولی۔ البتہ نادر ہی کچھ دیر بعد بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ کون اس طرح دشمنی
پر آمادہ ہے۔ دیکھنے میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ آج آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں صاحب ہی
کے دفتر میں بحثیت کلک ملازم ہوا تھا۔ ایک دن کسی نامعلوم آدمی نے صاحب کے کمرے ہی
میں جھے سے فون پر گفتگو کی وہ مجھ سے اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ میں ایک پُرسار آدمی ہوں
جہاں تک میری بچھلی زندگی کا سوال ہے میں واقعی بہت بُرا آدمی تھا۔ مگر اب میں ایک شریف
آدمی بننے کی کوشش کر رہا ہوں، لہذا میں کیسے اعتراف کر لیتا کہ میں اب بھی بُرا آدمی ہوں۔

پر آپ کو مجھ سے خبردار رہنے کا مشورہ ضرور دیا جائے گا اور میری گمراہی بھی شروع کر دی جائے گی۔“
”ایسے خطرناک آدمی ہو۔“ سلویا نے پلکیں جھپکائیں۔

”ہوں نہیں بلکہ تھا مادام۔ لوگ اس پر یقین نہیں کرتے کہ پہلے تھا۔ اب نہیں ہوں۔“

”ہاں۔ یہ دشواری تو ضرور پیش آتی ہے۔ اب تم ہمیں بتاؤ جب تم میرے واقعات سے
واقف نہیں تھے اس وقت تمہاری نظرؤں میں جتنی وقت تھی اب نہ رہی ہو گی۔“

”اس سے زیادہ بڑھ گئی ہے مادام اور اب اس میں ہمدردی بھی شامل ہے۔ جو شخص اپنی
بُرا ایساں تعلیم کر لیئے کے سلسلے میں لوگوں کی نظرؤں سے گرنے کا خطرہ مول لے اس سے زیادہ
باہمیت اور اونچا آدمی تو کوئی ہو یعنی نہیں سکتا اور آپ نے اپنی کہانی تو مجھے اس لئے سنائی تھی کہ
میں آپ کے شوہر بے ہوشیار ہوں۔ یعنی مجھے ایک دلدل سے نکالنے کے لئے آپ نے خود کو
میری نظرؤں سے گرانے کا خطرہ بھی مول لیا تھا۔ میں تو فی زمانہ اتنی جرأت اور عالمی ہمتی دوسروں
عورتوں میں نہ پاسکوں گا۔ آپ میری نظرؤں میں بہت بلند ہیں مادام۔ میرا خیال ہے کہ آپ
کی کہانی نام نہ ہو گی۔“

”کوئی نہیں جانتا۔ کوئی بھی نہیں۔ کم از کم میرے آبرو باختہ ہونے کا علم تو کسی کو بھی نہیں
ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ تیرہ سال کی عمر سے سن بلوغ تک اس کی داشتہ رعنی ہوں۔ لوگ تو یہ
سمجھتے تھے کہ وہ میرے سرپرست کی حیثیت رکھتا ہے اور میں اس کی گمراہی میں تعلیم و تربیت
حاصل کر رہی ہوں۔“

”پھر آپ ہمیں بتائیے کہ میری نظرؤں میں آپ کا مقام بلند کیوں نہ ہو۔“

سلویا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد یوں۔ ”میں یہ کیوں نہ
سمجھوں کہ میرا شوہر تمہیں بُری راہ پر ہی لگنے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ تمہیں بے بُس کا احساس
دلار کر دوبارہ تمہیں تمہاری بچپنی زندگی کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے۔“

”میں نے بھی اکثر یہی سوچا ہے مادام۔ وہ انہیں کا کوئی آدمی تھا جس نے فون پڑا
سے گفتگو کی تھی لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ میں مزدوروں کی طرح کام کر کے پیٹ ہے۔“

سلتا ہوں تو انہوں نے اس قسم کی حرکتیں شروع کر دیں۔ اب دیکھئے تا مادام آدمی آدمی ہی
ہے۔ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ ویسے فرشتہ بننے کی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن حقیقتاً فرشتہ نہیں ہے۔ اسے
غصہ بھی آئی سکتا ہے اور ایسے اوچھے قسم کے جملے تو پاگل ہی کر دیتے ہیں۔ جب میں فٹ پاٹھ
پر گرا تھا تو بے اختیار یہی دل چاہا تھا کہ چاقو نکال کر ایک سرے سے قتل عام شروع کر دوں۔ یہ
سوچے بغیر کہ حرکت کس کی تھی اور پھر جب وہ طماںچہ میرے خدا اگر..... میرے خدا.....!“
نادر کی آواز دشت جذبات سے کانپ گئی۔

”میں سمجھتی ہوں نادر۔“ سلویا زم لجھے میں بولی۔

پھر نادر خاموش ہو گیا اور کار تیزی سے راستے طے کرتی رہی۔ پھر وہ بیٹگلے میں داخل
ہوئے۔ جب نادر جانے کے لئے راہداری سے گزرنے لگے تو نادر کی نظر غیر پر پڑی۔ وہ
ڈر انگر روم میں تھا تھا اور غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

”میرہو۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔ ”اڈھر آؤ۔“

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ نادر سلویا کا خرید کردہ سامان اٹھائے ہوئے تھا۔

”تم بالکل گدھے اور الو کے پڑھے ہو۔“ غیر نادر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

نادر سرخ ہو گیا۔ بس پتہ نہیں کس قوت نے اسے روکا تھا۔ ورنہ پرانا نادر تو غیر کے
کڑوے تیور ہی پر جاگ اٹھا تھا۔ اس نے بہت ضبط کر کے دھمکی آواز میں کہا۔

”میں نہیں سمجھتا۔“

”میں نے تمہارے پرداگ کیا ہے یا تم شہر میں خرید و فروخت کرنے کے لئے رکھے
گئے ہو۔“

”میں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔“ سلویا بولی۔

”تم خاموش رہو۔“ وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

سلویا خاموش ہو گئی۔ مگر وہ قہر آلوندو نظرؤں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”مادام کے حکم سے سرتاہی کیسے کرتا جاتا۔“ نادر نے کہا۔

”مادام کے بچ۔ تم صرف مالی ہو۔“

”تم برابر میری توہین کئے جا رہے ہو۔“ سلویانے غصیلی آواز میں کہا۔

”تم یہاں کھڑی کیوں ہو۔ فتح ہو جاؤ۔“

”کیا تم آدمیوں کی طرح گھنگو نہیں کر سکتے۔“

”نہیں کر سکتا۔“ فتح گردن جھٹک کر بولا۔

”تمہیں شرم آنی چاہئے۔“

”نہیں آئے گی۔“

بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یا تو دیوانہ ہو گیا ہے یا نئے میں ہو۔

سلویانے نادر کے ہاتھ سے پیکٹ لئے اور انہیں بازوؤں میں سنجھاتی ہوئی وہاں سے چل گئی۔

”میں سمجھتا ہوں۔“ فتح آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تمہاری پچھلی زندگی۔ مگر پچھلی کیوں پتہ نہیں اب کس قسم کا فراڈ کرنا چاہتے ہو۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ تم نے اپنا پچھلا پیشہ ترک کر دیا ہے، جس شخص نے تمہارے متعلق فون پر اطلاع دی تھی وہ تم سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھے فون پر ہی بتایا تھا کہ تم بہت مدار آدمی ہو۔ مگر میں آگاہ کرتا ہوں کہ میں بھی اچھا آدمی نہیں ہوں۔“

”دیکھئے جناب میں آپ کا ملازم ہوں اس لئے آپ کے اچھے یا نئے ہونے کا سوال ہے۔ آخراب تک میں نے آپ کو کتنے دھوکے دیئے ہیں۔ آپ کو میرے فراڈ سے کیا نقصان پہنچا ہے۔“

”مجھ سے بحث نہ کرو۔“

”میں نے نہیں شروع کی تھی بحث۔“

”تم گدھے ہو۔ تمیز سے بات کرو۔“

”میں نے ابھی تک کوئی بدتریزی نہیں کی جناب۔ صرف آپ کی باتوں کا معقول جواب

”دیتا رہا ہوں۔“

”تم بیٹلے کے اندر کیوں آتے ہو۔“

”خود سے کبھی نہیں آیا جناب۔ اگر مادام کوئی کام ہوتا ہے تو طلب کر لیتی ہیں۔“

”تم اس کے ملازم ہو یا میرے۔“

”میں تو یہی سمجھا تھا جناب کروہ مالکہ ہے۔“

”میں سب سمجھتا ہوں۔“

”آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس جملے سے آپ کی کیا مراد ہے۔“

”میں ابھی تمہارا حساب کئے دیتا ہوں۔ تم جاسکتے ہو۔“

”چھ ماہ سے پہلے نہیں جناب۔ ہمارے درمیان تحریری معاہدہ موجود ہے۔“

”میں اسے منسون خ کرتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ اس میں کوئی ایسا نکتہ نہیں نکال سکیں گے جس کی رو سے آپ ایسا کر سکیں۔“

”میں تمہیں نہیں رکھنا چاہتا۔“

”اگر وہ معاہدہ موجود نہ ہوتا تو میں خود بھی یہاں رہنا پسند نہ کرتا۔“

”میں اسے چھاڑ دوں گا۔ کبھی کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔“

”شاید آپ بھول رہے ہیں کہ اس کی کالی میرے پاس بھی موجود ہے۔“

”میں کہتا ہوں جوھ سے بحث نہ کرو۔“ فتح میرز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔“

”اگر میں چھ ماہ سے پہلے جانا چاہتا تو آپ مجھے جبل بھجوادیتے۔ اب آپ مجھے نکال

”ہے یہ تو میں کس سے فریاد کروں۔“

”اب اگر نہ جاؤ گے تو جبل ہی جانا پڑے گا۔“

”بھجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“
 ”میں دراصل اس وقت تھا را امتحان لے رہا تھا۔ واقعی تم نے کافی جدیک خود پر قابو پالیا ہے۔“
 ”بات دراصل یہ ہے جناب۔“ نادر مسکرا لیا۔ ”چھاڑا چلانے سے جسم میں قوت آتی ہے
 اور قوت سے تو شیرنک قابو میں آ جاتے ہیں۔ اپنی طبیعت کیا چیز ہے۔“

”اور تمہارے اس امتحان کے چکر میں یہوی کو بھی ناراض کر دیا۔ سلویا بہت رنجیدہ ہے۔
 اسے حالات کا چونکہ علم نہیں ہے اس لئے راہ راست پر لانے کے سلسلے میں بڑی دشواریوں کا
 سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن تھہرو۔ کیا تم سلویا کو صحیح الدماغ سمجھتے ہو۔“

”یقیناً جناب۔ انہوں نے ابھی تک مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں ان کی
 دماغ کی خرابی کا نتیجہ سمجھ سکتا۔“

”وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ اس سے شادی کر کے میں نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ مجھے
 اکثر بتایا کرتی ہے کہ جب وہ چھ سال کی تھی تو اسے پریاں اٹھائے گئی تھیں اور بھی نہ جانے کیا
 الالا..... میں اس کا مذاق اڑاتا تھا تو خفا ہو جاتی تھی مگر اب میں اس سے خائف ہوں، بے حد
 خائف۔ ادھر آؤ۔ میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں مجھے ایک ہمدردی کی ضرورت ہے۔ مجھے معاف
 کر دو۔ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ وہ عورت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔“

نادر اس کے ساتھ چلے گا۔ وہ پائیں باغ کے ایک گوشے میں آئے۔

فیجر کہہ رہا تھا۔ ”میں اتنا اچھا آدمی بھی نہیں ہوں کہ فرشتہ کھلاوں۔ دولت حاصل کرنے
 کے لئے مختلف ذرائع اختیار کرنے ہی پڑتے ہیں لیکن میں ان حدود میں بکھی داخل نہیں ہوا
 جہاں قانون کے بگڑے ہوئے تیور بھی برداشت کرنے پڑیں۔ دنیا میں کوئی ایسا فرشتہ ہے جو
 پہنچ پر با تھر کر کر ایمانداری سے کہہ سکے کہ اس کی ذات سے بکھی کسی کو کسی قسم کا تقسیم نہیں
 پہنچا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک ہمدردی کی ضرورت ہے اور میں تمہیں قابل اعتماد سمجھتا ہوں۔
 سلویا باب مجھ سے پیچا پھٹڑانا چاہتی ہے۔ وہ مجھے طرح طرح کی دھمکیاں دے رہی ہے۔
 ڈازموں سے میرے متعلق من گڑھت اور بے نکلی با تیں کرتی ہے۔“

”کوشش کیجئے۔“ نادر نے کہا۔
 ”چلے جاؤ یہاں سے۔“ فیجر گر جا۔ ”تم میری اجازت کے بغیر بنسگے کے اندر نہیں داخل
 ہو گے۔“

”مادام کا حکم نہ مانوں۔“
 ”نہیں۔“

”بہت بہتر ہے۔ اب ایسا ہی ہو گا۔“
 ”باغ کا استیا ناس ہو کر رہ گیا۔“

”پہلے ہے بہتر ہے جناب۔ جب میں آیا تھا تو یہاں خاک اڑتی تھی۔“
 ”جاو۔“

نادر اپنی کوٹھری میں چلا آیا۔ فیجر کے خلاف اس کا غصہ تو بھی کا غائب ہو چکا تھا۔ یہ
 بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ فیجر کو اس کا سلویا کا رابط ضبط پسند نہیں تھا۔ اس نے ایک
 سگریٹ سلاگایا اور فرش پر چت لیٹ گیا۔ ابھی اسے کیا ریوں میں پانی دینا تھا۔ اس نے سوچا
 کہ سگریٹ ختم ہونے تک پاپ بھی خالی ہو جائے گا۔ کیونکہ ملبوسات کی دلکھ بحال کرنے والی
 عورت نہیں پر کپڑے دھورتی تھی۔

سگریٹ ختم کر کے وہ پھر باہر آیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔
 اسے فیجر پورچ میں کھڑا نظر آیا۔ نظر ملتے ہی اس نے اشارہ کیا اور نادر اس کی طرف
 چلا گیا۔

نادر سمجھا تھا شاید پھر وہ کھوپڑی سے باہر ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ اب وہ
 معمول پر آپ کا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پہلی سی مکار طبیعت کی غماز چک عود کر آئی۔

”تم واقعی اچھے بن رہے ہو۔ مگر یہ تمہارے حق میں بہت بُرا ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔
 ”میں نہیں سمجھا جناب۔“

”اوہ۔ تم شاید اتنے ذہین بھی نہیں ہو جتنا میں نے سن رکھا ہے۔“

حمد خاموش بیٹھا رہا۔ مگر اسے حرمت تھی کہ قام ڈائیکنگ ہال میں بے کار بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ابھی تک کھانے پینے کا چرخ نہیں چلایا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حرمت انگریز اسوسنگ پاپ اور تبا کو کاڑبہ تھا جو قائم کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ حمید نے اسے بھی تفریخاً بھی تبا کو پینے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ قام تبا کو کیسے پیتا ہے۔ اس نے اپنے طق سے چند بے ہنگمی آوازیں نکال کر قائم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنے پاپ میں تبا کو بھرنے لگا۔ بے کاری کی اتنا بہت نے قام کو بھی ایک مشغله سمجھا ہی دیا اور وہ بھی اپنے پاپ میں تبا کو بھرنے لگا لیکن اب وہ حمید کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے دیکھا کہ وہ پاپ سلاکنے کی کوشش کر رہا ہے اور سانپ کی کی بھکھاریں ہال میں گونج رہی تھیں۔ کئی آدمی قائم کی طرف دیکھنے لگا لیکن وہ ان سب سے بے پرواہ سلاسیاں پھونکتا رہا۔

پھر حمید نے اس کی بڑی بڑی بہت سنی۔ ”چند نہیں یہ حرامزادے اتنا گیلا تمبا خوقوں بناتے ہیں۔ اچھا سالو..... اب تمبا خو کا رخانہ بھی کھلوں گا۔“

حمد نے بدقت تمام بھی ضبط کی۔ قام اتنا کھویا ہوا تھا کہ اس نے ادھر ادھر دیکھنا بھی گوار نہیں کیا تھا۔ اگر کبھی کسی طرف نظر اٹھ بھی جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ سب سے بے تعلق ہو اور اسے موقع ہو کر دوسرے بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔

بمشکل تمام پاپ سلاکا اور قائم کی ریلوے انجن کی طرح جلدی جلدی دھواں چھوڑنے لگا۔ غالباً تمبا کو نہ ہونے کی وجہ سے اسے خدا شکا کہ وہ پھر بجھ جائے گا۔ لہذا وہ کش پر کش مارتا رہا۔ حتیٰ کہ پاپ سے لپک اٹھنے لگی اور پھر یک بیک بُرا سامنہ بنا کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور پھر جو کھانشیوں کے جھکڑ شروع ہوئے تو پاپ بھی ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا رہا..... اور سلگتا ہوا تمبا کو اس سے نکل کر دور جا پڑا۔

لوگ بہنے لگے۔ وہ کافی دیر سے قام کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔

مگر قائم کو اب بھی اس کی پرواہ نہیں تھی۔ بدقت تمام کھانی رکی اور حمید نے اسے

”مگر جناب انہوں نے مجھ سے کوئی بے عکی بات نہیں کی۔“

”نہ کہی ہوگی۔ لیکن تمہیں میرا ہر حال میں ہمدرد رہنا پڑے گا۔“ غیر نے اس کے شان پر ہاتھ رکھ کر کہا اور نادر نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔

وہ اڑکی

حمد نصیر آباد بیچنچ پکا تھا اور فریدی کی ہدایت کے مطابق میک اپ میں تھا۔ لیکن فریڈ نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے کیا کرنا ہوگا۔ نہ وہ گرینڈ ہوٹل میں ظہر گیا تھا۔ فریدی نے

بس اتنا ہی کہہ دیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ٹھہرے اس ہوٹل کے نام سے اسے بذریعہ تاریخ کر دے چونکہ حمید کو قام کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ قام کو ٹالا شہ جاہنے۔ بے کاری کے اوقات کے لئے قام کچھ ایسا بھی نہیں تھا۔

حمد کو علم تھا کہ قام کسی لڑکی کے چکر میں نصیر آباد آیا ہے۔ اس نے اس لڑکی کی تصویب بھی دکھائی تھی اور شاید نام بھی بتایا تھا مگر نام اب ذہن سے اتر گیا تھا۔

بہر حال حمید نے بیہاں کے سب سے بڑے ہوٹل کا رخ کیا تھا اور اس کا اندازہ صحیح تھا۔ قام بھی گرینڈ ہی میں مقیم تھا۔ مگر دشواری میک اپ کی تھی۔ حمید اس پر خود کو ظاہر پڑا۔ لیکن پھر بھی دوسرے ذرائع سے وہ اسے اپنی تفریجات میں گھیث سکتا تھا۔

قام سر شام عی ڈائیکنگ ہال میں جم گیا تھا۔ حمید نے اسے دیکھا اور وہ بھی اس قریب عی کی میز پر جا بیٹھا۔

قام کبھی جما ہیاں لیتا اور بھی کچھ سوچتا ہوا منہ چلانے لگتا۔ پتے نہیں وہ رات کے کھے متعلق سوچ رہا تھا اسے کسی کا انتظار تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اسی لڑکی کا منتظر ہا ہو جس کے وہ نصیر آباد آیا تھا۔ اس لئے حمید کو علم نہیں تھا کہ اس لڑکی سے ملاقات ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

میز کی طرف آئی۔

”جج..... جی..... ہاں۔“ قام ہکلایا اور پھر کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہاتھ پہنچنے لگا۔
”آپ تو اپنی تصویر سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔“ لڑکی نے آگے جھک کر پیار بھرے لمحے
میں کہا اور قاسم کی حالت غیر ہو گئی۔ اس وقت اس کی صحیح شکل و شباہت کا اندازہ کرنا بہت مشکل
تھا۔ کیونکہ اس کے ہوتوں اور آنکھوں نے نئے نئے انداز اختیار کرنا شروع کر دیئے تھے۔
”آپ خاموش کیوں ہیں۔“ لڑکی نے پوچھا۔ ”کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ اے
میں لوہی پاگری یہوں۔“

”پپ..... پیچان لیا۔“ قام کے طبق سے آواز کو آزادی حاصل ہوئی۔

”پھر کیا بات ہے آپ کے خطوط تو بے حد و ستانہ ہوتے تھے۔“

”اوہ..... مم..... دراصل جی ہاں جی ہاں۔ بیمار ہو گیا ہوں۔“

”کیوں کیا ہوا۔“

”بخار.....!“

”اب کیا حال ہے۔“

”اب تو اچھا ہوں۔“

”اچھا..... اچھا شاید اسی لئے آپ تصویر سے کچھ دلے نظر آ رہے ہیں، مجھے بے حد
انوس ہے۔“

”کوئی بب..... بات نہیں ہے۔“

”آپ سے مل کر واقعی بے حد خوشی ہوئی ہے۔“ لڑکی ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ ”میں تو آپ کو
خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ یہ میں نے اپنے خط میں بھی لکھا تھا۔“
”میں بھی دیکھتا تھا۔“

”آپ بھی دیکھتے تھے۔“ لڑکی ناز کرنے کے سے انداز میں مسکرائی۔ ”بھلا کیوں۔“
حمد کو ایسا معلوم ہوا جیسے خود اس کے طبق میں ہڈی اٹک گئی ہو۔

بڑھاتے سن۔ ”اب کی سالا طبق کے نیچے اتر گیا تھا۔“
غائباؤہ سالا دھوان تھا جو اتفاقاً طبق سے نیچے اتر گیا۔ ورنہ قام تو صرف گالوں ہی میں
ہے بھر بھر کر فضائل منتشر کرتا رہا تھا۔
ایک دیٹر نے پاس پاٹھا کر میز پر رکھ دیا اور قاسم جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔
”شانے لاوے۔“
وپر تعلیما جھکا اور آگے بڑھ گیا۔

ادھر حمید بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ قام کی میز پر ہوتا تو یہی تفریخ طویل بھی ہو سکتی
تھی۔ مگر اس وقت وہ ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گیا۔

تحوڑی دیر بعد قاسم کی ”شانے“ آئی۔ ٹی پاٹ معقول سے کافی بڑا تھا۔
تھہا آدمیوں کی میز پر عوام چھوٹے چھوٹے ہی ٹی پاٹ لائے جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے
کہ ویٹر اس کی خوراک سے آگاہ ہی ہو چکے ہوں گے۔
کچھ وقت گذر گیا۔ حمید ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ قاسم کی چائے نوشی میں ابھی بریک
نہیں لگتا تھا۔ دفعتا ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی قاسم کی میز کے قریب نظر آئی اور قاسم بوکھلا
کر کھڑا ہو گیا۔

حمدی نے پہلی ہی نظر میں لڑکی کو پیچان لیا وہ وہی لڑکی تھی جس کی تصویر قاسم نے اسے کچھ
دن پہلے دکھائی تھی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ یہ لڑکی اپنی تصویر سے بھی زیادہ حسین
تھی۔ اس نے بڑی بے چیزی سے پیلو بدللا لڑکی بیٹھے چکی تھی۔

قاسم بالکل اول کا چھا نظر آنے لگا۔ اس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے
انڈوں کا ایک بینار بنا کر اس کے حوالے کر دیا ہو اور کہا گیا ہو کہ خبردار ایک بھی اغا کھنکنے نہ
پائے، ورنہ کھال کھینچ لی جائے گی۔ اس کے ہاتھ کا پن رہے تھے اور کبھی وہ تمباکو کا ذہب ایک
طرف سے اٹھا کر دوسری طرف رکھ دیتا اور کبھی وہ پاس پومنجال کر رکھنے لگتا۔
لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”نہ کہنا۔ میں نے کتنی دور سے دیکھ کر تمہیں پیچان لیا تھا اور سیدھی اس

”بب.....بس۔“ قاسم بوكھلا کر بولا۔ ”یونہی.....بس یونہی۔“

”سچی بات نہیں بتاؤ گے۔“ لوکی پڑی اور ساتھ ہی قاسم کی عی ہی بھی چل نکلی۔ حمید کو اس پر اتنا غصہ آرہا تھا کہ وزنی سا گلداں اس کے سر پر پخت دے گروہ بھی سوچ، تھا کہ آخر یہ چکر کیا ہے۔

ادھر اب قاسم کی ہمت کھلتی جا رہی تھی اور وہ باقاعدہ بولنے پر آمادہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے بھی ایک دشیر کو اشارہ کیا۔ جب وہ تربیب آیا تو آہستہ سے بولا۔ ”یہ صاحب کھانا کس وقت کھاتے ہیں۔“

”پہ نہیں۔ جناب ان کی میز والا جانتا ہو گا۔“

”کیا یہ اسی میز پر بیٹھتے ہیں۔“

”شاید انہوں نے اپنے لئے کوئی میز مخصوص نہیں کرائی۔“

”اچھا..... دیکھو کافی لاو۔ ساتھ ہی سینڈوچ بھی لانا۔“ ویژہ چلا گیا۔

حمدیکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ خواہ وہ کسی قسم کا فری کیوں نہ کر رہا ہو۔ مگر حمید اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی قاسم چیزیں بناؤ کر رہا ہے۔

کے ساتھ تصحیح اوقات کرے۔

لوکی قاسم سے کہہ رہی تھی۔ ”میں کتنی خوش ہوں یہاں نہیں کر سکتی۔ بس یہ سمجھ لیجے کہ آنے تک میں اتنی خوش کبھی نہیں ہوئی۔“

”میں بھی بالکل..... یعنی کہ بہت زیادہ خوش ہوں۔ جی ہاں۔“ قاسم سر ہلا کر بولا اور چیخ بہت زیادہ خوش نظر آرہا تھا۔ حمید کے دل پر چھریاں ہی چل رہی تھیں۔ اس کا دل چاہ تھا کہ یہکی قاسم کی میز پر چھلانگ لگادے۔

اچاک اس نے محسوں کیا کہ لڑکی کچھ اس سی نظر آنے لگی ہے۔ قاسم نے بھی شاید۔ محسوں کر لیا تھا۔

دفعتاً لوکی معموم آواز میں بولی۔ ”میں آپ سے پرسوں ہی ملی ہوتی جب آئے تھے۔ مگر مجھے اور میرے خاندان والوں کو ایک بہت بڑی الجھن سے دوچار ہو جانا پڑا۔“ ”کیا بات ہے مجھے بتائیے۔“

”اب کیا بتاؤ۔ میرے ڈیڈی کے دشمن ان کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈیڈی یورپ گئے ہیں۔ چھ ماہ تک واپس نہ آ سکیں گے۔ یہاں دراصل ہمارا بزرگ ہے۔ ان کے ایک دشمن نے ان کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ بنایا ہے اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے خلاف ایک لاکھ کی ڈگری لایا۔ اور.....!“

حمدیکی اس سے آگے نہ سکا۔ کیونکہ آرکٹریا جاز بجانے لگا تھا۔ حمید کو اس کی بے وقت کی شہنماں پر بڑا غصہ آیا۔ اُسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ لڑکی قاسم سے کوئی بہت بڑا فراہم کرنے والی ہے۔ اسے یاد آیا کہ قاسم نے اس لڑکی سے خط و کتابت کے سلسلے میں بتایا تھا کہ وہ ایک تصویر کی وجہ سے ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے۔ قاسم کی وہ تصویر ایک اسکول کے میگزین میں جھپٹی تھی اور تصویر بھی یوں جھپٹی تھی کہ قاسم سے اسی اسکول کے جلے کی صدارت کرائے کوئی بڑی رقم وصول کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس میگزین میں قاسم کے اس ”عطیہ“ کا تذکرہ بھی ضرور رہا ہے۔ موثی مرغی۔ حمید نے سوچا کہی جاں میں چھپنے والی ہے۔

جاز بچتا رہا اور وہ صرف ان کے ہونٹ بہت دیکھتا رہا کیونکہ گفتگو مننا مشکل تھا۔ ویسے بھی موسیقی کی لپڑوں کے ساتھ ہی ان کی آوازیں بھی کافی تھیں۔ لیکن فضول۔

کچھ دیر بعد حمید نے قاسم کو جیب سے چیک بک کا لئے دیکھا اور اس کا ذہن ہوا میں انسے لگا۔ قاسم نے قلم بکال کر چیک بک پر کچھ لکھنا شروع کر دیا اور پھر جب وہ اس میں سے چیک بک پھاڑنا چاہ رہا تھا لوکی نے اس انداز میں اپنا ہاتھ چیک بک پر رکھ دیا جیسے ہے۔

بلائنس سے روک رہی ہو۔ اس کے ہونٹ بھی مل رہے تھے۔ پھر قاسم نے چیک بک پھاڑے بغیر چیک

بلائنس سے روک رہی ہو۔ اس کے ہونٹ بھی مل رہے تھے۔ پھر قاسم نے چیک بک پھاڑے بغیر چیک بک جب میں رکھ لی اور اٹھ گیا۔ لوکی بھی اٹھی اور وہ دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

اب حمید کس طرح وہیں بیٹھا رہا سکتا تھا۔

”رات باہر گیا ہے۔ آج شام تک واپس آئے گا۔ مگر اب پانی سر سے اوچا ہو رہا ہے۔
ہاں اس نے کس شبے میں جلا کر دیا ہے۔“

”ان کا خیال ہے کہ آپ کے دماغ میں فتور ہے یا پھر آپ انہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہیں۔“

”وہ کتنے کا پلا ہے۔“ سلویا جلا کر بولی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو پہنچ لگے اور پھر غصیل آواز میں سکیاں لیتی ہوئی کہنے لگی۔ ”اس سے بڑا کمینہ اور ذلیل آج تک میری نظروں سے نہیں گذر رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ چلو اندر چلو، میں بہت کچھ بتاؤں گی۔“

”مگر صاحب نے حکم دیا ہے کہ میں بیٹلے میں قدم نہ رکھوں۔“

”میں قانوناً اس کی بیوی ہوں۔ تم یہ مسئلہ ہم دونوں پر چھوڑو۔ اب مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے کہ میرے باپ کو چنانی ہو جائے گی۔“

نادر چند لمحے سوچتا ہا پھر بولا۔ ”چلے۔“

اس نے سوچا کہ دیکھ عی لیتا چاہئے۔ کون جھوٹا ہے۔
سلویا اسے پھر کچھ عی میں لے آئی۔

نادر پھر اسی کری پر بیٹھ گیا جس پر اس سے پہلے بھی ایک رات بیٹھ چکا تھا۔

”ہاں..... اس نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔“

نادر نے اختصار کے ساتھ اسے فتحر کے خیالات سے آگاہ کر دیا۔ سلویا اس طرح دانت پیل رعنی تھی جیسے اب ملاقات ہونے پر اپنے شوہر کو کچا ہی چجا جائے گی۔

”وہ جھوٹا اور بے ایمان ہے۔ اسے خدا ہے کہ کہیں میں تمہاری ہمدردیاں نہ حاصل کر لوں اور تم سے تو وہ اچھی طرح واقف عی ہے۔“

”اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مادام میں کیا کروں۔“

”تم میری طرح ہجوت تو نہیں ہو۔ تمہیں یہ نہ سوچنا چاہئے۔ اب مجھے خصوصیت سے کیا نہ کسی کی مدد رکار ہے کیونکہ وہ مجھ سے جو کچھ چاہتا ہے اسے میں کسی قیمت پر بھی پسند نہ

غیر متوقع حالات

نادر کافی رات گئے تک سوچتا رہا کہ آخراً فتحر سلویا سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے سلویا کے متعلق بھی اسے شبے میں جلا کر دیا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے سلویا ہی کسی مخالف میں فتحر کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اب تک اس کی نظر وہ سے صد ہاتھ کی عورتیں گذری تھیں۔ ان میں ایسی بھی آنکھ رائی تھیں جن کا نادر نے احترام کیا تھا۔ یعنی اس نے انہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ انہیں فرشتہ سمجھتا رہا تھا لیکن وہ شیطان سے بھی زیادہ بھیاںک ثابت ہوئی تھیں۔

فتحر سے گفتگو کرنے کے بعد پھر سلویا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی ورنہ وہ اسے ٹوٹنے کی کوشش کرتا۔ مگر پھر اس نے سوچا آخر ان بھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت عی کیا ہے۔ وہ تو اچھائیوں کی علاش میں انکھا تھا پھر کسی دلدل میں پیر ڈالنے کیا ضرورت تھی۔

وہ کافی رات گئے سویا لیکن زیادہ دریک نہیں سو سکا۔ کیونکہ صح عی صح کسی نے اس کی کوئی تحریکی کے دروازے پر دھک دی۔

باہر سلویا کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری رات سونے سکی ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور آنکھوں کے نیچے حلکے سے معلوم ہو رہے تھے۔

”میں اس سے ڈر نہیں سکتی۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تمہیں بھی نہ ڈرانا چاہئے۔ خدا کے لئے میری بد کرو۔ فی الحال تمہارے سوا مجھے اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا، جو اس کی حرکتوں کا جواب دے سکے۔“

”آخربات کیا ہے مادام۔ میرا خیال ہے کہ اگر صاحب نے دیکھ لیا تو۔“

”اوہ تو کیا تمہیں اس نے مرعوب کر لیا ہے۔“

”نہیں مادام۔ لیکن انہوں نے مجھے شبے میں ضرور جلا کر دیا ہے..... اوہ وہ اس وقت پیں کہما۔“

کر سکوں گی۔

”وہ کیا چاہتا ہے۔“ نادر نے پوچھا۔

”اب وہ مجھے اپنے دستوں کے حوالے کر دینا چاہتا ہے۔“

نادر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ سلویا کہتی رہی۔ ”مگر میں یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ وہ آج کل کچھ خلاف بھی رہتا ہے۔ پڑھنیں وہ کس مصیبت میں پڑ گیا ہے یا حقیقتاً میرے لئے کوئی کوواں کھور رہا ہے۔ پچھلی رات اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے اسکے مشوروں پر عمل نہ کیا تو وہ کسی بہت بڑے حادثے سے دوچار ہو گا ساتھ ہی میرا باپ بھی زندہ نہ رہے گا۔“

”وہ مشورے کیا ہیں مادام۔“

”اس نے کہا تھا کہ میں آج رات کو بہاں کی ایک مشہور عمارت میں ایک آدمی سے طبوں اور مجھ سے جو کچھ بھی کہا جائے اس پر بے چوں و چراں عمل کروں۔“

”تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔“

”میں ہرگز نہ جاؤں گی۔“

”نہیں آپ وہاں چلے۔ اس طرح حالات سے آگاہی بھی ہو سکے گی۔“

”لیکن اگر۔“

”ہاں کہئے آپ خاموش کیوں ہو گئیں۔“

”اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ گیا تو۔“

”میں حتی الاماکن کو کشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔“

”کیا تم میرے ساتھ چلو گے۔“

”بھی ہاں اور آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ اس نے میز پر دو کپ رکھ دیئے تھے اور اب ان میں چائے انٹیل رہتی تھی۔

”مجھے خوف معلوم ہوتا ہے نادر۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا اور پیش روں کی پلیٹ نادر کی طرف کھسکا دی۔

”اچھا تو پھر صاحب کے مشورے پر عمل نہ کرنے کی صورت میں کیا ارادہ رکھتی ہیں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ پچھلی رات ایک منٹ کیلئے بھی نہیں سوئی۔“

”بس تو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ناشتہ کر کے سو جائیے۔“

”مجھے اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میں مطمئن نہ ہو جاؤں۔“

”کس سلسلے میں اطمینان کرنا چاہتی ہیں۔“

”بھی کوہ کیا چاہتا ہے اور اس عمارت میں بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔“

”دیکھنے۔ مقصد اس وقت تک نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ آپ ان کے مشورے پر عمل نہ کریں۔“

”اچھی بات ہے۔ فرض کرو میں اس کے مشورے پر عمل کرتی ہوں۔ اور تم نے پیش ریاں نہیں لیں۔ لو یہ چائے لو۔ ہاں فرض کرو۔ میں وہاں جاتی ہوں اور میرے ساتھ تم بھی ہوتے ہو۔ اگر تمہارے متعلق اسے علم ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔“

”سیدھی کی بات ہے مادام۔ میں ان سے کہہ سکوں گا کہ میں انہیں کی ہمدردی میں وہاں گیا تھا۔ میں ان سے کہوں گا کہ میں مادام کی نقل و حرکت کی گگرانی کرتا رہا ہوں اور ان کا تعاقب کرتا ہو اس عمارت میں گیا تھا۔“

”سلویا کی آنکھیں چکنے لگیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کی سب سے بڑی انگھن نوری طور پر رفت ہو گئی ہو۔“

”اوہ پھر تم نے پیش ریاں نہیں لیں۔ دیکھو نادر میں خاص کی بھوکی ہوں اور خاص مجھے کبھی نہیں ملا۔ میں تمہیں اپنا صرف دوست سمجھتی ہوں۔“

”اگر آپ حق پر ہیں مادام تو مجھے ہمیشہ اپنا دوست پائیں گی۔“

”اوہ..... تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا۔“

”میں اس کا اعتراف کر کے آپ کا دل دکھانا نہیں چاہتا۔ بس آپ آج وہی بیجھ جو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر وہاں آپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی ہوئی تو پرانا نادر ایک بار پھر

جاگ اٹھے گا لیکن اس صورت میں مطمئن رہئے گا کہ حق کی حمایت میں اسکے قدم اٹھے ہیں۔“

”اچھا نادر۔ سلویا نے ٹھنڈی سانس لی۔“ ارے پھر تم نے پیش ری نہیں لی۔“

”میں اپنی موجودہ حیثیت سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا مادام۔“

”کیا مطلب....!“

”مجھے وہی باسی روٹی کا لکڑا چاہئے جو روزانہ ملتا ہے۔“

”مجھے شرمندہ نہ کرو نادر۔“

”ہرگز نہیں مادام۔ میں طنز نہیں کرہا۔ میرے مطالبے میں خلوص ہے۔ میں آپ کی ہر

امکانی خدمت کر سکتا ہوں۔ مگر موجودہ حیثیت کی حدود سے قدم نکالے بغیر مجھے کسی ایسی بات پر

جبوجور نہ کیجئے، جو میرے ضمیر کی طامت کا باعث بنے۔“

”تم واقعی بہت شریف اور اوپنے آدمی ہو نادر۔ میں یقین نہیں کر سکتی کہ کبھی نہ مے بھی

رہے ہو گے۔ آدمی اتنی جلدی خود کو نہیں بدل سکتا۔“

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں مادام۔ وہ آدمی جو دریاؤں کے رخ بدل سکتا ہو جو

پیاروں کے جگہ چرچ سکتا ہو۔ کیا وہ خود کو نہیں بدل سکتا۔“

”ہاں..... الفاظ میں تو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے مگر.....!“

”مگر وہ سوچ سکتا ہے تو کہ بھی سکتا ہے مادام۔“

سلویا کچھ نہ بولی۔ وہ ایک بڑی روٹی کو دو بلاؤں میں کاٹ رہی تھی۔

نادر خاموشی سے روٹی کے ٹکڑے چائے میں ڈبو ڈبو کر کھانا رہا۔

اسی شام کو سلویا نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ اپنے شوہر کی ہدایت کے

مطابق اس عمارت میں جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ غیر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ نادر کو صرف

ایک سیاہ غائب کا انتظام کرتا پڑا چونکہ وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دونوں میں سے کون ٹز

پر ہے۔ اس لئے اسے ہر حال میں مختار رہنا تھا۔

ایک رہا وزیر آباد کی مشہور ترین عمارتوں میں سے تھا۔ نادر سلویا کا تعاقب کرتا ہوا وہاں

جا پہنچا مگر دشواری یہ تھی کہ وہ صدر دروازے سے عمارت میں نہیں داخل ہونا چاہتا تھا۔

سلویا اندر چلی گئی اور نادر اپنے لئے کوئی مناسب راہ تلاش کرتا ہوا عمارت کی پشت پر آیا۔ راستے ملنے میں کوئی دشواری بھی نہیں پیش آئی کیونکہ گندے پانی کا پاپ اور پری منزل تک چلا گیا تھا۔ نادر نے جوتے اتار کر جیبوں میں ٹھونے اور پاپ کے سہارے اور چڑھتا چلا گیا۔ اور پری منزل ویران پڑی ہوئی تھی۔ کسی جگہ بھی روشنی نہیں دکھائی دی۔

ٹکلی منزل کے زینے تلاش کرنے میں بھی دشواری نہیں پیش آئی اور پھر کچھ دیر بعد وہ اس کرے تک پہنچ گیا جہاں اس کا پہنچا ضروری تھا۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ سلویا اندر ہی تھی، مگر نادر نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اس کے لئے غیر متوقع اور تحریر کن تھا۔ ایک بوڑھا یورپین جس کا شیو بوڑھا ہوا تھا اور ظاہری حالت بہت سیقیم تھی۔ سک سک کر رورہا تھا اور سلویا اس طرح سامنے کھڑی ہوئی تھی جیسے اس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہو۔ ویسے اس کے پیچے پر گھرے غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔

وہ بتا بوڑھا اپنی سکیوں پر قابو پا کر بولا۔ ”اب یہ لوگ مجھے سے بھی قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جس راز سے ذریگی واقع تھا اس سے یہ بھی واقع ہیں۔ مجھے دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر میں نے ان کے کہنے پر عمل نہ کیا تو وہ مجھے مار دیں گے۔“

”کسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔“ سلویا نے ہماری ہوئی آواز میں پوچھا۔

”ڈر گئی کو۔“

”ارے۔“ سلویا یک بیک اچھل پڑی اور پھر بولی۔ ”ای نے تو مجھے یہاں بھیجا ہے۔“

”ڈر گئی نے۔“ بوڑھا بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

ادھر اچانک کسی نے نادر کی گردن پیچھے سے پکڑی۔ نادر بوڑی تحریر سے مڑا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گردن چھڑا کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کی۔ وہ آدمی تو چیخ کر دیں ڈھیر ہو گیا لیکن اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دوسرا آدمی نے نادر پر چھلانگ لگادی۔ نادر بھی غافل نہیں تھا۔ وہ بوڑی پھرتی سے پیچھے ہٹا اور چھلانگ لگانے والا منہ کے مل آ رہا۔ پھر نادر نے اسے

”یہ کون ہے۔“ بوڑھے نے سلویا سے پوچھا۔

”ایک ہمدرد۔“

”میں نام معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“ بوڑھا جھنگلا گیا۔

”نام نہیں بتایا جائے گا۔“ سلویا نے بھی غصیل آواز میں کہا۔

بوڑھا خاموش ہو گیا اور نادر نے سلویا سے پوچھا۔ ”کھدا مارا۔“ یہ شہر میرے لئے بالکل نیا ہے۔ میں راستوں سے واقف نہیں ہوں۔“

”اگلے چورا ہے سے بائیں جانب موڑ لیتا۔ ہم گھر نہیں جائیں گے۔“ سلویا نے جواب دیا۔

”کہاں..... کہاں۔“ بوڑھا ماضی پانچ انداز میں بولا۔

”کہیں بھی گر میں تمہیں لے جاؤں گی۔ ڈیڑی تم نے کہا تھا کہ وہ تمہیں کہیں سے بھی پہنچتے ہیں۔“

”مادام جلدی کوئی فیصلہ کیجئے۔ اس کار کے سلسلے میں ہم گرفتار بھی کئے جاسکتے ہیں۔“

”تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں۔“

”یہ آپ کے ڈیڑی ہیں۔“

”ہاں۔“

”آپ انہیں گرفتار کر ادیجئے۔“

”کیوں..... کیا بک رہے ہو۔“ بوڑھا بول کھلا کر بولا۔

”میں ٹھیک کہ رہا ہوں مسٹر۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ مسٹر ذریگی آپ کو بیک میل کرنا چاہتے تھے۔ کسی دوسرے نے آپ کو پکڑا اور آپ سے چاہتا ہے کہ آپ ذریگی کو قتل کر دیں۔ اور مسٹر ذریگی بھی بیک میل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے مادام کو اس عمارت میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ اس شخص سے میں، جو انہیں بیک میل کر رہا ہے۔ کیا یہ الحجاج حیرت انگیز نہیں ہے۔ غالباً مادام یہاں اس لئے بلوائی گئی تھیں کہ آپ انہیں ذریگی کے قتل پر آمادہ کر سکیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ سلویا نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

سبھلے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی دو ہی ٹھوکروں نے اس کا منظر تک ہلا کر رکھ دیا۔ مگر دو آدمی نہ جانے کہ ہر سے نکل آئے۔ نادر نہیں دیکھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

وہ دونوں بھی خاصے پھر تیلے اور تیز رفتار معلوم ہوتے تھے۔ دروازے تک جا کر اچانک نادر پھر پلتا۔ اس کی یہ حرکت دونوں تعاقب کرنے والوں کے لئے غیر متوقع تھی اس لئے وہ گز بڑا گئے۔ نادر کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے دونوں کے چہروں پر بیک وقت بھر پور ہاتھ ریس کئے۔ دونوں ہی لوگوں کا نادر نے ایک کوسنچال کر بڑی تیزی سے اٹھایا اور سے بلند کر کے دوسرے پر پٹھ دیا۔ دونوں ہی چیخ کر ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔

دروازے میں سلویا کھڑی نبڑی طرح کانپ رہی تھی۔ نادر کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ چار آدمی فرش پر پڑے ہوئے تھے اور نادر سلویا کو گھوڑا رہا تھا۔

وہ غلطی بوڑھا بول بڑا یا۔ ”یہ کون ہے۔“

”ایک ہمدرد۔“ سلویا نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔

”اُرے تو پھر کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ نکلو یہاں سے۔ ان چاروں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

نادر نے سلویا کو اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سلویا اس کے پیچے چل رہی تھی۔ لیکن بوڑھا آدمی ان دونوں سے زیادہ تیزی دکھارا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے وہی کپڑا ٹھیں بینچا۔ اس نے مڑ کر نادر سے کہا۔

”ان کی گاڑی گیراج میں موجود ہے۔“

”آ..... ہاں۔“ نادر نے کہا اور دوڑتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ کار اندر موجود تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے اُسے باہر نکالا۔ سلویا اور بوڑھا بھی نشت پر بیٹھ گئے۔

کار چانک سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔

”مگر میں اب کہاں جاؤں۔“ بوڑھا بول بڑا تھا۔ ”یہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔“

”کیوں.....!“ نادر نے پوچھا۔

کچھ دیر بعد اگلی ٹیکسی ایک عمارت کے سامنے رکی۔ مگر یہاں انہیں ادا نہیں کر دیا۔ حید نے اپنی ٹیکسی کی رفتار کم کر دی اور پھر اس نے ان دونوں کو ٹیکسی سے اترتے دیکھ کر اپنی ٹیکسی رکوایی دی۔ دونوں ٹیکسیوں کے درمیان تقریباً تین سو گز کا فاصلہ تھا۔

اگلی ٹیکسی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ لے کے اتنے کے آدھے منٹ بعد ہی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ پھر تاروں کی چھاؤں میں وہاں صرف قاسم ہی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ لیکن شاید عمارت میں چلی گئی تھی۔ حید ٹیکسی سے اتر آیا لیکن ڈرائیور کو ہدایت کر دی کہ وہ اسکی واپسی تک وہیں ٹھہرے۔ قاسم جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ فتحاً حید اس سے مگرایا اور ایسا کرتے وقت اس کی جیب سے چیک بک اڑا۔

”ابے اندھے ہو کیا۔“ قاسم غرایا۔

”شکر ہے کہ تم آدمی ہی نہلے۔“ حید نے خوش ہو کر کہا۔ ”ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شاید انہیں میں کسی گدھ سے کلرا گیا ہوں۔“

”بھاگ جاؤ۔“ قاسم گھونسہ اٹھا کر بولا۔ ”میں یہاں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔“

”بہت اچھا جناب۔“ حید نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک عمارت کی کپڑا گٹوال سے جالا۔ بہر حال وہ یہاں سے قاسم کو صاف دیکھ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے قاسم کے قریب ہی ایک دوسرا سایہ بھی نظر آیا۔ یہ یقیناً وہی لوگی لوگی پھر وہ دونوں اندر چلے گئے۔

حید اپنی جگہ سے ہلا اور پھر اسی عمارت کی طرف چلنے لگا جس میں وہ دونوں داخل ہوئے تھے۔ چھوٹے سے پائیں باغ کے صرف ایک حصے پر روشنی کا بڑا سادھہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے حصے تاریک پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر آ جانے والی روشنی تھی۔

حید نے جب اچھی طرحطمیمان کر لیا کہ اس عمارت میں کتوں کی موجودگی کے

”اکیں ہی آدمی آپ کے ذیثی اور مسٹر ڈریگی کو بلیک میل کر رہا ہے۔ یقین سمجھ کر مسٹر... ار... کیا نام ہے۔ آپ کے ذیثی اپ کو مجبور کرتے کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دے دیں۔“

”کیوں ذیثی؟“

”ہاں۔“ بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”دیکھا آپ نے۔“ نادر نے سلویا کو خاطب کیا۔

”یہ آخر کیا ہو رہا ہے۔“

”دیکھئے مادام..... اگر آپ یہ جاہتی ہیں کہ آپ کے ذیثی محفوظ رہیں تو انہیں پولیس کے حوالے کر دیجئے۔“

”نہیں..... نہیں..... میں مرنائیں چاہتا۔“ بوڑھے نے دونوں ہاتھ پھیلا کر سکی لی۔

”ایک منٹ خاموشی رہنے مسٹر۔ پوری بات سن لیجئے۔ ہاں مادام۔ پوری بات سن لیجئے۔ آپ فی الحال انہیں تھانے لے جائیے اور ان کے خلاف رپورٹ درج کر دیجئے کہ یہ آپ کا بیک ازادی نے کوشش کر رہے تھے۔ یہ تانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ آپ دونوں میں کیا رشتہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ صرف جیل ہی میں محفوظ رہ سکیں گے اور آپ بھی مطمئن رہ سکیں گی۔“

سلویا ہزوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”تمہاری تجویز معمول ہے۔“

”اچھا تو بس تھانے کی طرف چلے۔ میں آپ دونوں کو وہاں اتنا کر کاڑی کہیں اور چھوڑ دوں گا۔“

”نادر واقعی تم بہت کام کے آدمی ہو۔“ سلویا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

چیک بک

قاسم اور لوگی پاگری ایک ٹیکسی میں تھے اور حید بھی ٹیکسی ہی میں ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

امکانات نہیں ہو سکتے تو وہ پائیں باعث میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرہ خالی تھا جس سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ وہ روشنی کی زد سے بچ کر نکلا اور پائیں جانب مڑ گیا۔ ادھر کپاٹ وڈاں اور اصل عمارت کی دیوار کے نیکن شیشے بھی روشن نظر آ رہے تھے۔ حمید آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ آخر کار اس نے قاسم کی ”غون غون“ سن لی۔ وہ پہلی پس کر ہکلا رہا ”جی ہاں۔ بہت بہت گھری دوستی۔ مجھے یوریشین لوگ بے حد پسند ہیں۔ میں اپنے ایک بوڑھے یوریشین پڑوی کو قادر کہتا ہوں۔ جی ہاں.....جی ہاں۔“

اس کھڑکی کے شیشے منقش اور رنگیں تھے۔ اس نے حمید کمرے کے اندر کا حال نہ دیکھ سکا۔ دیے اس نے قاسم کی گلگول کا ایک ایک لفظ سننا اور سمجھا تھا۔

”اوہ انکل۔“ اس نے لوکی کی آواز سنی۔ یہ بہت شریف اور عالی ہمت ہیں۔ میں تو دیکھ رہ گئی ان کی عالی ہمتی دیکھ کر۔“

”کیا بات ہے۔“ یہ کسی مرد کی بھرائی ہوئی آواز تھی۔
”بیس کیا بتاؤں انکل۔“ لوکی کی آواز سے شرمدگی ظاہر ہو رہی تھی۔ ”میری حماقت سے ڈگری کا ذکر نکل آیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہمارا دشمن ایک لاکھ کی ڈگری لایا ہے۔ پاپا یورپ گئے ہیں اور چھ ماہ تک واپس نہیں آ سکیں گے ان کی عادت ہے کہ وہ سفر کے دوران میں بہت کم خط و کتابت کرتے ہیں اور اس وقت یہ پتے نہیں یورپ کے کس حصے میں ہوں گے اور ان کے دخنخانے کے بغیر کوئی بڑی رقم یعنیکوں سے نہیں نکالی جاسکتی۔“

”خاموش رہو۔“ دفعتا مرد نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”آخر اس قسم کی بکواس کی کہا کہ ضرورت تھی۔“
”بیب.....بس غلطی ہو گئی انکل۔ مگر میں نے دوسری غلطی نہیں کی۔“ لوکی سمجھی ہوئی کہ آواز میں بوئی۔

”دوسری غلطی کیسی۔“ مرد غرایا۔
”یہ مجھے پچاس بچاس ہزار کے دو چیک دے رہے تھے جو تین دن کے وقفے سے کہا تھا۔“

کرائے جاسکتے۔ لیکن میں نے نہیں لئے۔“

”اے تو بات ہی کیا تھی دوستی میں۔“ قاسم نے کہا اور حمید نے اپنا نچلا ہوت دانتوں میں دبایا۔

”نہیں جتاب۔ یہ لوکی حق ہے۔“ مرد کی آواز آئی۔

”میرا خیال ہے آپ چیک لے بجئے جب ان کے پاپا آ جائیں تو آپ یہ روپے والپیں کر دیجئے گا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ ہم ایسا نہ کر سکیں گے۔“ مرد کا لہجہ بے حد خنک تھا۔

”آپ مجھے مالیوں کر رہے ہیں۔“ قاسم دردناک آواز میں بولا۔

”تم بہت وابیات ہو لوئی۔ تمہیں خاندان کی عزت کا خیال نہیں ہے۔“ مرد کی آواز نیلی تھی۔

”میں کیا بتاؤں انکل۔ بڑی غلطی ہوئی۔ یقیناً مجھے ان سے اسکا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”آپ لوگ مجھے غیر صحیح ہیں۔“ قاسم پھر گڑایا۔

”انکل یہ زبردستی کر رہے ہیں کہ میں چیک لے لوں۔ لیکن میں نے کہا کہ میں انکل کی بلات حاصل کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔ لہذا یہ اسی وقت آپ سے ملنے پر مصروف گئے۔ مجھے سے بن بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں، انکل خدا کے لئے معاف کر دیجئے۔“

”دیکھئے انکل۔“ قاسم پھر گڑایا۔ ”آخر مجھے بتائیے تا کہ اس میں کیا بُرائی ہے۔ سمجھا کہ آپ کی فرم نے کسی پارٹی سے ایک لاکھ روپے قرض لئے ہیں۔“

”اب یہ تذکرہ ختم کر دیجئے جتاب۔“ مرد کی آواز میں احتیاج تھا۔

”دیکھئے خدا کے لئے مان جائیے۔“ قاسم کی آواز آئی اور حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردان اڑے۔ اس کی پروداہ کے بغیر کہ اس کی گردان بہت موٹی ہے۔

”اُف فوہ۔ آپ بھی بڑے ضدی ہیں۔“ مرد کی آواز سے ہنس دینے کا سامان از صاف

”آپ نے تو دو چیک لکھ بھی لئے تھے اور وہ شاید پس رکھتے ہے۔“ لوی نے کہا۔

”جی ہاں۔“

”مگر آپ کی کوئی رقم یہاں کیوں ہونے لگی۔ آپ تو شاید کہیں باہر سے آئے ہیں۔“

مرد نے کہا۔

”ارے گھپا ہو سکتا ہے مسٹر انکل۔“

”کیوں..... کیسے۔“

”میں نے سفر کرنے سے پہلے یہاں دولا کا منتقل کرائے تھے۔ میں ہمیشہ سفر کرنے سے پہلے یہ ضرور کر لیتا ہوں۔“

”تب تو آپ فوراً پولیس کو اطلاع دیجئے اور متعلقہ بینک کے ذمہ داروں کو اس سے آگاہ کیجئے۔ کیا واقعی آپ نے چیک کراس نہیں کیا تھا۔“

”نہیں۔ وہ ذاتی چیک تھا اور میں نے دونوں کی پشت پر بھی اپنے دستخط کر دیے تھے۔“

”ہاں۔ میں نے دیکھا تھا انکل۔“ لڑکی بولی۔

”تو پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔“

”باتیے میں کیا کروں۔“ قاسم پر بولایا۔

”فون۔ مگر نہیں خبر ہے۔ فون بے کار ہی ہوگا۔ آپ سیدھے پولیس اشیشن چلے جائیے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ہوٹل ہی سے آپ کے پیچھے لگ گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے وہاں آپ کو چیک لکھتے دیکھا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میری گاڑی خراب ہو گئی ہے ورنہ میں آپ کو پولیس اشیشن تک پہنچا دیتا۔“

”لک..... کوئی بات نہیں۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں بیکسی لے لوں گا۔“

حید نے اب کھک جانا ہی مناسب سمجھا۔ قاسم کو بھلا اس سنان سڑک پر اس وقت بیکسی کہا ملتی۔

وہ سڑک پر آگیا اور تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں اپنی بیکسی چھوڑی تھی۔ مگر اسے بے

”ہاں..... دیکھئے بس میری یہ درخواست منظور کریں لیجئے۔“

”اچھا جناب۔“ مرد تھکے تھکے سے لجھے میں بولا۔ ”مگر مجھے فرم کی طرف سے پردنور وغیرہ لکھنے کا اختیار نہیں ہے۔“

”ارے لعنت بھیجے پر دنوٹ پر۔“ قاسم جلدی سے بولا۔ ”آپ بھی کیسی باتیں کر رہے ہیں مسٹر انکل..... یہ بھی کوئی بات ہوئی یعنی کہ جی ہاں۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر یک بیک حید نے قاسم کی ”ارے ارے“ سئی۔ جس سے اس کی بوکھلا ہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

”یعنی کہ..... کیا ہو گئی..... اف فوہ۔“

”کیا بات ہے۔“ مرد کی آواز آئی۔

”م..... میری چیک بک۔“

”کیوں..... چیک بک کو کیا ہوا۔“ یہ لڑکی کی آواز تھی۔

”اسی جیب میں رکھی تھی آپ کے سامنے۔“

”ہاں..... رکھی تو تھی پھر۔“

”غص..... غائب ہو گئی۔“

”نہیں۔“ لڑکی کے لجھے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں۔“

”کیسے غائب ہو گئی۔“ مرد کی آواز آئی۔

”اوہ..... خبر یے مجھے سوچنے دیجئے۔“ قاسم رک رک کر بولا۔ ”جی ہاں۔ اب یادا۔“

ہے۔ وہ کوئی جیب کترانہی تھا۔“

”کون.....!“ لوی اور اس کا انکل بیک وقت بولے۔

”جب آپ مجھے سڑک پر چھوڑ کر اندر آئی تھیں..... تب ایک آدمی مجھ سے اندر جمیر میں نکلا یا تھا۔ میں نے اسے برا بھلا کہا تھا۔ شاید اسی نے جیب سے نکال لی۔“

حد مایوسی ہوئی کیونکہ اب وہاں نیکی نہیں تھی۔ کرایہ وہ پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔ اس نے چیچے مژکر دیکھا۔ قاسم لڑھکتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

حمد ایک طرف ہو گیا۔ اب اس کے ذہن میں کوئی واضح پلان نہیں تھا۔ بہر حال اس نے اپنی دانست میں قاسم کو ایک بہت بڑے خسارے سے بچالیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی اور اس کا انکل دونوں ہن فراؤ معلوم ہوتے ہیں۔“

قاسم سڑک پار ہا جب وہ کچھ دور نکل گیا تو حمید بھی سڑک پر آ گیا۔ دونوں آگے چیچے چلتے رہے۔

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک گلی سے نکل کر قاسم کے ساتھ ہو لیا۔ اب وہ سڑک کے روشن حصے پر آگئے تھے۔ پتہ نہیں لویں پالگری یو کے مکان کے سامنے والے پول کا بلب فیوز تھا یا اس تار کی کامیکی کوئی خاص مقصد تھا۔ حمید نے قدم بڑھا دیئے اور پچھلی دریں بعد حمید نے قاسم کی آواز سنی جو شاید اس را گیر کو اپنی دکھ بھری کہانی سارہا تھا۔

اس نے دوسرے آدمی کی ”ہوں ہوں“ بھی سنی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس آدمی کو یہ کہانی گراں گذر رہی ہو اور بس یونہی اخلاقاً کبھی کبھی بول دیتا ہو۔

حمد پہلے تو اس آدمی کو راگیر ہی سمجھا تھا لیکن جب اس نے قاسم کو یہ بتایا کہ پولیس اشیش تک پہنچنے کے لئے اسے کم از کم دس میل پیدل چلتا پڑے گا تو حمید کا ماتھا ٹھنکا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر قاسم کے گرد کس قسم کا جال پھیلایا جا رہا ہے۔

اب وہ آدمی اپنی رہبری میں قاسم کو پولیس اشیش کی طرف لے جا رہا تھا۔ حمید نے تعاقب جاری رکھا۔

گلابی دیو

نادر بنگلے کے چھانک ہی پر سلویا کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کار شہر کے ایک ایسے حصے میں چھوڑی تھی جہاں زیادہ تر سڑکوں کے کنارے بے شمار کاریں کھڑی رہا کرتی تھیں۔ لیکن

یہاں سے بنگلے تک پہنچنے کے لئے اسے کافی دیر تک بھکٹانا پڑا تھا۔ اس نے انجامی کوشش کی تھی کہ کار کے کسی حصے میں اس کی الگیوں کے ثابتات نہ پائے جائیں۔

اس کے ذہن میں متعدد سوالات تھے اور وہ اپنے طور پر ان کے تشغیل بخش جوابات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد سلویا بھی پہنچ گئی۔ وہ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔“آؤ نادر..... اندر چلو۔“

وہ بہت تیزی سے اندر بڑھتی چلی گئی۔ نادر بھی کم مضطرب نہ تھا لیکن اس نے اپنے چہرے سے دلی کیفیات ظاہر نہیں ہونے دی تھیں۔

اندر پہنچ کر سلویا ایک صوفے پر گر گئی کچھ دری اسی طرح پڑی ہاپنی رہی پھر دو تین بار کھانس کر اٹھ چیٹھی۔ اس کا چہرہ زرد اور ستا ہوا تھا۔ خشک ہونتوں پر بار بار زبان پھیرنے کے باوجود بھی وہ انہیں نعم کرنے سے قاصر رہی تھی۔

”یہ..... یہ..... تم یہ دیکھو نادر۔ میں اپنے باپ کو گرہ کئی کے الزام میں پولیس کے حوالے کر آئی ہوں۔ اس سے بڑی ٹریجی ہو گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں خود کو دنیا کے کیسے آدمیوں کو ساتھ رکھوں۔ اُن میرے خدا..... دیکھو میری آنکھیں بالکل خشک ہو گئی ہیں۔ گھر سے گھر اغم بھی انہیں بھجوئے سے قاصر ہے گا۔ پانی نادر۔ خدا کے لئے ایک گلاس پانی۔ کسی نوکر کو آواز دو۔“

”میں خود میں لا رہا ہوں مادام۔“ نادر اٹھ گیا۔

اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر کمزے سے نکل آیا اور پچھے سے گلاس میں پانی لے کر تیزی سے پھر کمزے کی طرف مڑ گیا۔

سلویا صوفے پر شیم دراز تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نادر نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ وہ اس طرح چوک پڑی جیسے ذہنی طور پر اس کمزے میں نہ رہی ہو۔

اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر کی پیاسے جانور کی طرح پانی پیا اور گلاس کو فرش پر رکھ کر

بڑا بڑا۔ ”پتہ نہیں یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔“

نادر فوراً انی پکھنہ بولا۔ وہ غور سے سلویا کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے گانوں میں ڈریگی یعنی فیر کے الفاظ گونج رہے تھے کہ اس کی بیوی اُسے بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔

”بولو نادر تم خاموش کیوں ہو۔ اگر اس وقت تم میری مدد نہ کرتے تو میں بہت بڑی پریشانیوں کا شکار ہو گئی تھی۔“

”ہاں مادام میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ حالات عجیب تر ہیں۔“

”پھر ہمیں حالات کا علم کیسے ہوگا۔ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ کون اس کا ذمہ دار ہے۔“

”کوئی تیر آدمی، جو آپ کے والد اور مسٹر ڈریگی کی کمزوریوں سے واقف ہے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کیا آپ مجھے کسی تیرے آدمی کے متعلق بتائیں گی۔“

”میں ایسے کسی تیرے آدمی سے واقف نہیں ہوں، جو اتنے عجیب اور پراسر ارادوں میں دونوں کو بلیک میل کر سکے۔“

”بہر حال یہی ہو رہا ہے۔“ نادر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”وہ دونوں ہی کسی بہت بڑے بلیک میل کے تھے چڑھ گئے ہیں۔ اچھا آپ یہی بتا دیجیئے کہ آپ کے والد مسٹر ڈریگی سے اتنے خائف کیوں تھے کہ انہوں نے ان سے آپ کا بھی سودا کر ڈالا تھا۔“

”میرا خیال ہے کبھی ان سے بھی کوئی برا جرم سرزد ہو چکا ہے۔“

”قتل....!“ نادر سلویا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ممکن ہے قتل ہی ہو۔ میں وثوق نہیں کہہ سکتی۔“

”اس تیرے آدمی سے مسٹر ڈریگی خائف ہیں۔ اس نے انہیں کسی دھمکی کے ساتھ ہی ان کی گلو ٹھلاصی کے لئے آپ کے اس عمارت میں چینچے کی شرط لگادی اور اس نے پہلے ہی سے آپ کے والد کو بھی قابو میں کر رکھا تھا اور انہیں مجبور کر رکھا تھا کہ وہ مسٹر ڈریگی کو قتل کر دیں۔ انہوں نے معدود ری طاہر کی ہوگی۔ اس پر اس نے آپ کا سوال اٹھا دیا ہوگا۔ انہیں

ایور کیا ہو گا کہ وہ آپ کے ذریعے مسٹر ڈریگی کو زہر دلوادیں۔“

”یہ تو ایک طرح کی خود کشی ہوئی جس پر ڈریگی مجبور کیا جا رہا ہے۔“

”یقیناً۔ لیکن مسٹر ڈریگی مجھے کافی دل گردے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مادام اس مقدم حقیقتاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ڈریگی مارڈا لے جائیں کیونکہ اگر اس آدمی کی خاہش ہیجی ہوتی تو ڈریگی مارڈا لے جائیں تو وہ یہ کام خود بھی آسانی سے کر سکتا تھا۔ مسٹر ڈریگی کے فرشتوں ابھی علم نہ ہو سکتا کہ کب اور کہاں سے جملہ ہوا۔ کیونکہ جو آدمی اس قسم کے پلاٹ مرتب کرنے والی صلاحیت رکھتا ہو سب کچھ کر سکتا ہے۔“

”پھر آخیر میرے باپ کو طلب کر کے مجھے کیوں بلوایا گیا تھا۔“

”تاکہ مسٹر ڈریگی کو اس کا علم ہو سکے کہ وہ کیسے جنگاں میں چھپنے ہوئے ہیں۔ یعنی اگر وہ اسرا آدمی چاہے تو انہیں خود کشی پر بھی مجبور کر سکتا ہے۔ یہ خود کشی ہی ہے مادام کہ انہوں نے وہی آپ کو بھیجا تھا اور آپ دراصل اس نے بلوائی گئی تھیں کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دے سکو۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا اس پر اسرا آدمی کی توقعات کے خلاف ہوا۔ ویسے آپ کو یقین ہوتا ہے کہ خود اسی کی طرف سے ایسے حالات پیدا کئے جاتے کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دینے کی لئے انہیں اس سازش سے آگاہ کر دیتیں۔“

سلویا کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور منہ کھلا ہوا تھا۔ اس انداز میں وہ کسی معصوم بچی ہی کی لامبیت پیاری لگ رہی تھی۔ خود نادر بھی اس پچویشن سے کم تباہ نہیں ہوا تھا۔

”تو..... تو میں ڈریگی کو آگاہ کر دوں۔“ اس نے پکھ دی بعد بھراں ہوئی آواز میں کہا۔

”یقیناً مادام۔“ نادر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی سی لامب تھی۔ اس نے پھر کہا۔ ”اور میں مسٹر ڈریگی کو اپنی کہانی ساؤں کے کس طرح میں ان کی اک ادا میں مادام کا تعاقب کرتا ہو اس عمارت میں پہنچا تھا اور کس طرح مجھے اس ایکم کا علم ہوا کہ اسرا آدمی نہیں زہر دے دیں گی اور یہ تو آپ ہی انہیں بتائیں گی کہ آپ اپنے باپ کو پولیس فسال کرائی ہیں۔“ نادر مسکرا تارہا۔ پرانا نادر اس وقت پوری طرح جاگ اٹھا تھا۔



حمد دنوں کا تھا قب کرتا رہا۔ ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ یہ کی فاسلے کی زیادتی رے وجہ سے رہ گئی تھی۔ ویسے وہ قاسم کی ”غون غون“ برادر ستارہ رہا تھا۔ پھر وہ ایک پرووف سڑک پر آگئے۔ یہاں روشنی میں حمید نے بھی ویٹر کو طلب کرنے کے لئے گھٹنی کے بن پر انگلی رکھ دی۔

”میں بہت پریشان ہوں بھائی صاحب۔“ قاسم کی آواز آئی۔

”پچھے مجھ سے بھی تو فرمائیے۔ شاید میں ہی آپ کے کام آسکوں۔“

”کسی گرد کٹ نے میری چیک بک اڑالی ہے۔ اس میں پچاہ پچاہ ہزار کے دو چیک لکھے ہوئے دستخط شدہ موجود تھے۔“

”ارے ایک لاکھ۔“

”جی ہاں۔“ قاسم نے بڑی لاپرواںی سے کہا۔

”کراس نہیں کیا تھا آپ نے۔“

”جی نہیں۔“

”کس بینک کے چیک تھے۔“

”پراؤنسل بنک۔“

”ارے بُس۔“ دوسرے آدمی نے تسلیخ آیز لجھ میں کہا۔ ”اتی ہی بات کے لئے آپ استنبت پریشان ہیں۔ میں ابھی انگر کو فون کئے دیتا ہوں اکاؤنٹ نمبر وغیرہ بتا دیجئے۔“

”انگر کون۔“

”مسٹر سنگر۔ پراؤنسل بنک کا نیجر۔ اس سے اپنے گھرے مرام ہیں۔ بہر حال اگر سنگر کی کو اطلاع دے دی جائے تو چیک کیش نہیں ہو سکے گا۔“

”میں تو پولیس کو اطلاع دیتا چاہتا ہوں۔“

”فضول ہے جتاب۔ آپ خواہ نخواہ اپنا وقت ضائع کریں گے اور آپ کو رپورٹ درج

تو ہزاروں ایک سے ایک بسا گئے جیلے اور اعلیٰ خاندان کے افراد دن بھر میرے گرد منڈلا یا کرتے ہیں کہ میں انہیں ایکسرٹا کا ہی چانس دے دوں۔ خیر..... تھیرے یے۔ پہلے آپ کا کام ہو جائے۔ پھر میں اپنی دشواریاں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ہاں دیکھو کافی لاڈ اور کھانے کیلئے کوئی چیز۔“ شاید وہ ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی ویٹر کو طلب کرنے کے لئے گھٹنی کے بن پر انگلی رکھ دی۔

”میں بہت پریشان ہوں بھائی صاحب۔“ قاسم کی آواز آئی۔

”پچھے مجھ سے بھی تو فرمائیے۔ شاید میں ہی آپ کے کام آسکوں۔“

”کسی گرد کٹ نے میری چیک بک اڑالی ہے۔ اس میں پچاہ پچاہ ہزار کے دو چیک لکھے ہوئے دستخط شدہ موجود تھے۔“

”ارے ایک لاکھ۔“

”جی ہاں۔“ قاسم نے بڑی لاپرواںی سے کہا۔

”کراس نہیں کیا تھا آپ نے۔“

”جی نہیں۔“

”کس بینک کے چیک تھے۔“

”پراؤنسل بنک۔“

”ارے بُس۔“ دوسرے آدمی نے تسلیخ آیز لجھ میں کہا۔ ”اتی ہی بات کے لئے آپ استنبت پریشان ہیں۔ میں ابھی انگر کو فون کئے دیتا ہوں اکاؤنٹ نمبر وغیرہ بتا دیجئے۔“

”انگر کون۔“

”مسٹر سنگر۔ پراؤنسل بنک کا نیجر۔ اس سے اپنے گھرے مرام ہیں۔ بہر حال اگر سنگر کی کو اطلاع دے دی جائے تو چیک کیش نہیں ہو سکے گا۔“

”میں تو پولیس کو اطلاع دیتا چاہتا ہوں۔“

”فضول ہے جتاب۔ آپ خواہ نخواہ اپنا وقت ضائع کریں گے اور آپ کو رپورٹ درج

کرانے کے لئے کم از کم دو بجے رات تک وہیں بیٹھے رہنا پڑے گا۔

”ارے بس۔“ قاسم بنس کر بولا۔ ”مجھے سالے کیا بھائیں گے۔ وہ نیں منٹ میں چکلی بجاتے رپورٹ لکھی جائے گی۔ کیا آپ مجھے اناڑی سمجھتے ہیں۔“

”قطیعی نہیں جتاب۔ لیکن یہ فسیر آباد ہے۔ ذی ایس پی اٹی آج کل ایک بہت عین سخت قسم کا لگا ہوا ہے۔ کیا جمال کر کوئی ایک پائی بھی رشوت کی لے سکے۔ بس جتاب رپورٹ لکھوانے والوں کی ایک لائن لگوادیتا ہے۔ رات کو جائے تو دوسری صبح کا ناشد وہیں فصیب ہو۔“

وہ شریحید کی میز پر چائے کی ٹرے رکھ کر واپس گیا۔

”اچھا تو پھر۔ صرف فون ہی سے کام چل جائے گا۔“

”بالکل چلے گا جتاب۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔

”تب تو واقعی آپ کمال کے آدمی ہیں۔ ہی ہی ہی۔“

”ہے ہے۔ آپ کے ہنپتے کا انداز۔“ دوسرा آدمی شاید کافی محظوظ ہو کر بولا۔ ”خدا کی قسم چلے گا۔ اس سال کی بہترین ہے۔ بس آپ میرا دل نتوڑیے۔ آہ..... ارے فن کی عظمتوں کو برقرار رکھنے کے لئے تو لوگ جان کی بازی لگادیتے ہیں اور آپ صرف اپنے والد صاحب سے ذرر ہے ہیں۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔“

”نہیں بھائی۔ میں فلم میں کام نہیں کروں گا۔“ قاسم سمجھی ہوئی آواز میں بولا۔

”مکنی کلر میں بنارہا ہوں مشر۔ ساری دنیا میں دھوم گج جائے گی۔ بالکل نیا موضوع۔ فلم کا نام گلابی دیو ہے۔ رسم اور گلابی دیو کی جگ۔ بس آخر میں رسم آپ کو پچاڑ دے گا۔“

”تالکیں چیر کر پھینک دوں گا سالے کی۔“ شائد قاسم کی ذہنی حالت بہک گئی تھی اور اب اسے غصہ آ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”مجھے خواہ خواہ غصہ نہ دلائیے۔“

”آف فوہ۔ بالکل فٹ۔“ دوسرے آدمی کا لہجہ بے حد پر سرت تھا۔ ”بس گلابی دیو کا کردار بھی ایسا ہی ہے۔ خدا کی قسم مزہ آ جائے گا جتاب۔ آپ بس ہاں کہہ دیجئے۔ میں سمجھوں گا مجھے دنیا ہی میں جنت مل گئی۔“

”میں فلم میں کام نہیں کروں گا۔ چاہے تم فون کرو یا نہ کرو۔“

”آپ کام کریں یا نہ کریں۔ میں ہبھال فون یقینی طور پر کروں گا بلکہ فون پر آپ کو مسٹر ہے ملادوں گا۔ آپ خود ہی ان سے کہہ دیجئے گا۔“

”بھی۔ یہ فلم کمپنی والا معااملہ۔“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”دل تو میرا بھی چاہتا ہے فلم میں کام کروں گر میرا آپ بڑا ظالم ہے بھائی صاحب۔ وہ مجھے پکا..... ارے کچا چبا گا۔“

”اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔ ارے جناب ہماری پستی کے یہی اسباب ہیں۔“
”پ اور امریکہ کے والدین بڑی خوشی سے اپنی اولادوں کو آرٹ پر قربان کر دیتے ہیں۔“
”اچھا.....!“ قاسم نے حیرت ظاہر کی۔

”یقین سمجھے۔ اگر میں نے کسی یوروپیں یا امریکن سے استدعا کی ہوتی تو وہ میری فلم میں ت کام کرنے پر تیار ہو گیا ہوتا اور پھر آپ یہ سوچنے کہ خود آپ کی تفریغ مفت رہی۔ مثلاً ابی دیو کے ساتھ پانچ عدد شیم برہنے پریاں ہوں گی۔ ان پانچوں کا انتخاب میں خود کرچکاں۔ ایک سے ایک بڑھ کر جھیں ہے۔“

حمدی نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جبش دی اور سوچا کہ قاسم یقینی طور پر اس وقت اپنے ہتوں پر زبان پھیر رہا ہو گا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے قاسم کو ہکلاتے سناء۔
”پ..... پریاں..... پ پریاں..... کیسی ہوتی ہیں بھائی صاحب۔“ ”اور..... اور..... یہم برہنے کیا ہوتا ہے بھائی صاحب۔“

”وہ آدمی اسے بتانے لگا کہ یہم برہنے کے کہتے ہیں اور پھر اس نے کہا۔ ”وہ پانچوں یاں آپ کے ساتھ ہر وقت رہیں گی۔“

”اورے باپ رے۔“ قاسم نے غالباً پیٹ سہلا کر کہا ہو گا۔ ”مم..... مطلب یہ کہ سما پنے باپ سے پوچھ لوں تو..... بب بتاؤں۔“

”آپ خود اپنے متعلق سوچنے کے آپ گلابی دیو کے روں میں کتنا چیز گے اور آپ کے

چھے کا گلو اپ تو بہترے لوگوں کو چھیں مارنے پر مجبور کر دے گا۔ آپ کا قیام کہاں ہے جتاب
”گرینڈ میں۔“ قاسم نے جواب دیا اور پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔
غالباً انہوں نے چائے شروع کر دی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے دونوں کو کاؤنٹر پر دیکھا۔ دوسرا آدمی کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا۔
پھر نادر نے جو کچھ بھی سن اور دیکھا تھا یا ان سے کوئی غیر متوقع خبر سنائی
”دریگی اچھل پڑا۔ وہ اس طرح نادر کو گھور رہا تھا جیسے اس نے اُسے کوئی غیر متوقع خبر سنائی
پھر نادر نے جو کچھ بھی سن اور دیکھا تھا یا ان سے کوئی غیر متوقع خبر سنائی۔

”تمہیں یقین ہے کہ اس نے اس بوڑھے کو ڈیٹھی کہا تھا۔“
”ہاں جتاب مجھے یقین ہے۔ کیونکہ مادام نے اُسے درجنوں بار ڈیٹھی کہا تھا۔ بوڑھا
”ہا تھا۔ مادام بھی رو رہی تھیں۔“
”بوڑھے کا حلیہ بتاؤ۔“

”پتلا چہرہ گالوں کی بڑیاں ابھری ہوئی تھیں۔ سر کے نچلے حصے میں سفید بال تھے۔
یانی حصہ بالکل صاف تھا۔ تاک طوٹ کی چونچ کی طرح اوپری ہونٹ پر جھلکی ہوئی تھی۔ شیو
خاہا تھا۔ کپڑوں کی حالت پھٹکوں میں تھی تھی۔“

”اچھا تھیر۔ پھر کیا ہوا۔“
”میں ان دونوں کی گفتگوں رہا تھا کہ کسی نے چیچھے سے میری گردن پکڑ لی۔ پھر مجھے چار
ایوں سے پٹنا پڑا۔ انہیں بے کار کر کے میں باہر نکلا۔ میرے ساتھ ہی مادام بھی بوڑھے
کیت باہر آگئیں۔ میں نے گیراج سے کار نکالی اور ان دونوں کو نٹھا کر لے اڑا۔ راستے میں
ہنسنے نے کہا کہ ذریگی نے اس کے ساتھ کبھی کوئی نیکی نہیں کی۔ لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ
ذریگی کو کوئی گزندہ نہ پہنچے اور پھر اس نے خود ہی خواہش ظاہر کی کہ مادام اُسے گرد کئی کے الام
مُر پولیس کے حوالے کر دیں۔ یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”کیوں۔ اب تمہیں میری مظلومیت کا احساس ہوا یا اب بھی نہیں۔“ ذریگی نے کہا۔
”بہت شدت سے جتاب۔“

”سلو یا وہاں تمہاری موجودگی پر تحریر تو ضرور ہوئی ہو گی۔“

دیو کا سیکریٹری

تقریباً تین بجے کسی نے کپاٹغا کا چھانک ہالیا اور چوکیدار نے ”جائے رہو“ کی ہالکا۔
نادر کو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اُسے ذریگی کا انتظار تھا۔ وہ بھی اپنی کوھری سے نکل کر
چھانک کی طرف چل پڑا۔

آنے والا ذریگی میں تھا۔ یہاں اندر ہمراہ اس لئے نادر کو نہ پہچان سکا۔
”دوسرا کون ہے۔“ ذریگی نے چوکیدار سے پوچھا۔

”باغبان جتاب۔“ نادر نے کہا۔

”ارے۔ تم کیوں؟“

”آپ کا ہوا وقت لیتا چاہتا ہوں۔“

”ضرور۔ ضرور آؤ۔“

”بنگلے میں نہیں۔“ نادر نے کہا۔ ”میری کوھری میں چلتے۔ میں نے آج رات آپ کے
لئے کچھ کیا ہے۔“

”بے حد جناب۔“

”پھر تم نے اسے کس طرح مطمئن کیا تھا۔“

”نہایت آسانی سے۔“ نادر مسکرایا۔ ”میں نے انہیں بتایا کہ آپ وہی خور میں بدلائیں اور کہا کہ صاحب نے کہہ رکھا ہے کہ میں آپ پر گہری نظر رکھوں۔ لہذا آج آپ جب باہر جاری تھیں تو میں بھی ساتھ ہی ساتھ چل پڑا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ صاحب کا بیان کہاں تک درست ہے کیونکہ بظاہر آپ صحیح الدماغ معلوم ہوتی ہیں۔“

”پھر اس نے کیا کہا تھا۔“

”کچھ بھی نہیں جناب۔ کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔“

”خیر..... ہاں تو اب وہ بوڑھا کہاں ہے۔“

”حوالات میں جناب۔ مادام نے اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔“ نادر نے کہا۔ ”مگر جناب اب آپ میری ایک الجھن رفع کر دیں۔“

”کیا ہے بتاؤ۔“ ذریگی نے کہا۔ اس کے ہونتوں پر ایک پل کے لئے ایک بے جان کی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”وہ لوگ کون ہیں جو آپ کو زہر دلوانا چاہتے تھے۔ کیا وہ لوگ مادام کو اس پر مجبور بھی کر سکتے ہیں۔ اگر مادام آپ کے خلاف کسی سازش میں حصہ لے سکتی ہیں تو وہ اس پر روئی کیوں تھیں اور کیا وہ بوڑھا آدمی جسے انہوں نے پولیس کے حوالے کیا ہے تھی جان کا باپ ہے۔“

”تم نے ایک ہی سانس میں بہت سارے سوال کر دیے ہیں۔“ ذریگی مسکرایا۔ ”ویسے حقیقت یہ ہے کہ اس کہانی پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں تم نے بوڑے کا جو طیہہ بتایا ہے اس کی مناسبت سے وہ اس کا باپ ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن نادر میں نے اس کے ساتھ کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ ویسے تم ہی بتاؤ کہ میں اس کے اوٹ پلائگ اخراجات کا بار کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ بوڑھا جاری ہے۔ شرابی ہے مطلب یہ کہ وہ مدھوش ہو جانے کی حد تک پیتا ہے۔ بہر حال نہ میں اس کی

شراب کا بار اٹھا سکتا ہوں اور نہ قمار بازی کا۔ اب اگر وہ مجھے بدنام ہی کرنے پر قتل گیا ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اسکی ذرہ برا بر بھی پرواہ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے سلسلے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔“

”غایباً مادام بھی یہی چاہتی ہو گئی کہ آپ بوڑھے کے ناجائز اخراجات پورے کریں۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔“ ذریگی نے اکتائے ہوئے لمحے میں کہا۔

”خیر..... بہر حال میرے لاائق جو بھی خدمت ہو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔“

”شکریہ نادر مجھے تم سے یہی امید ہے۔ اچھا باب سوجا۔ میری نیند تم نے ختم ہی کر دی۔“

اب میرا ذہن اس میں الجھاٹی رہے گا کہ یہ سب کیا تھا۔“



دوسری صبح حمید بستر پر پڑا بچھل رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ قاسم پولیس اسٹیشن نہیں گیا تھا۔ صرف اس ریسٹوران سے فون پر کسی سے گفتگو کی تھی۔

قاسم کی چیک بک اب بھی حمید کے پاس تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس سلسلے میں اور کیا کرنا چاہئے۔ قاسم تو گردن تک کسی دلدل میں غرق ہو چکا تھا۔ ایک طرف وہ لڑکی لوی پاگریوں اور دوسری طرف وہ آدمی آنکھ ریا تھا جس نے فلم کپنی والا اسکینڈل شروع کیا تھا۔ فی الحال یہ بتاً مشکل تھا کہ وہ فلم کپنی والا بھی لوی پاگریوں سے تعلق رکھتا ہے یا وہ کوئی دوسرا ہی فرماڈ تھا۔

حمدیہ تھوڑی دیر تک الجھتا رہا پھر ایک تدبیر سمجھ میں آئی گئی۔ وہ اٹھا اور ضروریات نے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور پھر وہ سوچ کر بھی باہر نکلا کہ قاسم سے یقینی طور پر مذہبیز ہو گی۔ مگر اسے یقین نہ تھا کہ قاسم ڈائنگ ہاں ہی میں مل جائے گا۔

اس نے سوچا کہ ڈائنگ ہاں میں ناشتہ کر کے قاسم کی فکر کرے گا۔

”اچھا تاؤ نیم برہنے کے کہتے ہیں۔“
حید نے قابل تعریف پھرتی سے اپنا قہقہہ ضبط کیا اور سونچنے لگا کہ یہ الوکا پٹھائیقینی طور پر
کوئی بہت بڑی رقم گواہے گا۔

”نیم برہنے۔“ حید نے کچھ سونچنے کی ایکنگ کرتے ہوئے کہا۔ ”شاید اسے کہتے ہیں جو
نیم کے درخت پر چڑھ کر اپنی قمیض اتار پھینکئے۔“

”فل.....!“ قاسم بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔ ”اچھا تاؤ یالیلی کے کہتے ہیں۔“
”میں نہیں بتاسکوں گامیرے لئے یہ نیا لفظ ہے۔“

”ہاں..... بالکل یا ہے اور جس نے بھی ایجاد کیا ہے بڑا سور آدمی ہے۔“
حید خون کے گھونٹ پی کر رہا گیا کیونکہ ویٹر ابھی چائے نہیں لایا تھا۔
”خیر..... فل فلوٹی تو جانتے ہی ہو گے۔“ قاسم نے پوچھا۔

حید بوکھلا گیا کہ کہیں قاسم نے اسے پچان تو نہیں لیا۔ ویسے اس وقت وہ اسے ایک ایسا
بار بردار گدھا معلوم ہو رہا تھا جو اپنی فطرت کے خلاف شوئی پر اتر آئے۔
”نہیں جناب، میں نہیں جانتا یہ بھی نیا لفظ ہے۔“

”میں تم سے بہت خوش ہوں سیکرٹری۔“ قاسم نے کہا۔ ”تم ایماندار آدمی معلوم ہوتے
ہو۔ بے شک نہ معلوم ہو گا۔ یلفظ بھی اسی سورنے نہ جانے کہاں سے کھوکر نکالا ہے۔“
”کس سورنے۔“

”بے ایک سور... سالا ہمارا حید بھائی۔“

”ہاں جناب تو پھر کیا طے فرمایا۔“

”ہم نے تمہیں اپنا سیکرٹری مقرر کیا۔“ قاسم نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ جناب۔“

”اتنے میں ویٹر حید کا ناشتہ لایا۔“

”اے۔ اب ان کا حساب میرے ساتھ چلے گا۔“ قاسم نے ویٹر سے کہا۔

ایک ایکم اس کے ذہن میں تھی جسے بروئے کار لانے پر قاسم سے قریب ہو جانے کے
امکانات تھے۔

قاسم خلاف توقع اسے ڈاکنگ ہال میں نظر آگیا وہ اپنی میز پر تھا ناشتہ کر رہا تھا۔ حید
نے ایک ویٹر سے اپنے ناشتے کے لئے کہہ کر ہدایت کر دی کہ وہ اسے قاسم ہی کی میز پر لائے۔
پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا قاسم کی میز کے قریب آیا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں حضور والا۔“ اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔
”قوں.....!“ قاسم نے پوچھا اور بھاڑ سامنہ کھول دیا۔

”محضے صرف ایک بار اپنی خدمت کا موقع دیججھ۔“
”کیسی کھدمت۔ خدمت بیٹھ جاؤ۔“

”بہت بہت شکریہ جناب۔“ حید کری کھسکا کر بیٹھ گیا۔
قاسم اسے استفہام یہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

”اکثر بڑے آدمی اپنے سیکریٹریوں کو ساتھ لے کر سفر نہیں کرتے۔“ حید نے کہا۔
”اچھا تو پھر۔“

”میں ایک بیٹھ درس فری سیکریٹری ہوں۔ گرینڈ ہی میں میرا مستقل قیام رہتا ہے اور اکثر
بہت بڑے آدمی مجھے اپنے دوران قیام کی خدمت کے لئے انگوچ کر لیتے ہیں۔“
”اچھا.....!“ قاسم نے جیعت ظاہر کی۔

”جی ہاں۔ اگر آپ کو ضرورت ہو تو میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“
”ضرورت تو ہے۔“ قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مگر میں بیٹھ گی روپے کبھی نہیں دیتا۔“

”میں نے بھی آج تک بیٹھ گئی تھوڑا کسی سے نہیں لی۔“
”تب تو ٹھیک ہے۔ ہوجاؤ میرے سیکریٹری۔ مگر ٹھہرو۔ پہلے میں تمہاری کالبیت کا امتحان
لوں گا۔“

”ضرور جناب۔“

”کاؤنٹر پر کلرک صاحب کی کتاب میں نوٹ کرا دیجئے گا جتاب۔“
 ”صاحب بھی اتنا جانتے ہیں۔ خواہ مخواہ مخز نہ کھاؤ۔“ حمید غصیلے لمحے میں بولا اور ویڑ
 ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر چپ چاپ چلا گیا۔
 ”وفادار بھی معلوم ہوتے ہو۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔
 اتنے میں قاسم کو دی آدمی نظر آیا جس نے پچھلی رات قاسم سے کسی فلم کے متعلق گفتگو
 کی تھی اور اسے پولیس اشیش نہیں جانے دیا تھا۔

وہ سیدھا اسی میز کی طرف آیا۔

”آہ..... آئے آئے ڈاکٹر صاحب۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”ترشیف رکھئے۔“
 وہ بیٹھ گیا لیکن حمید نے محسوس کیا کہ اس نے اسے گھوکر دیکھا تھا۔

”آپ کی تعریف.....؟“ اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”یہ میرے سیکریٹری ہیں۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”اوہ..... خیر ہاں جناب مجھے رات بھرنے دیں آئی۔“

”کیوں.....؟“

”بل میں بھی سوچتا رہا کہ اگر آپ تیار نہ ہوئے تو کیا ہو گا۔“

قاسم ہنسنے لگا اور اس نے کہا۔ ”آپ سے زیادہ مناسب آدمی گلبی دیو کے روکے لئے اور کوئی نہ ملے گا۔“

”بھی دیکھئے ڈاکٹر صاحب مجھے ایکنگ کرنا نہیں آتا۔“

”ارے واہ..... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اگر مجھے اس کی پرواہ ہو تو میں ڈاکٹر کردنیں بلکہ
 چڑی مار کھلاوں گا۔ کیا آپ نے پروڈیور ڈاکٹر کھنکھنے کا نام پہلے کبھی نہیں سنایا۔“

”میرے والد نے ضرور سنا ہو گا کیونکہ وہ فلم کے بیجہ شو قین ہیں۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”اُف نوہ..... آپ پھر والد صاحب کا قصہ لے بیٹھے۔ آخر آپ ان سے اتنا ڈرتے
 کیوں ہیں۔“

”آپ میرے سیکریٹری سے بات کر لیجئے۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔“
 ”ارے ہاں۔“ یک بیک اس آدمی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ ”آپ کچیک بکٹی یا نہیں۔“
 ”چوہلے میں جائے۔ میرے پاس کافی کیش بھی ہے۔“
 ”یقیناً ہو گا جناب۔ میں نے تو یونہی ازراہ ہمدردی پوچھا تھا۔“
 ”آپ کوئی فلم بنارہے ہیں۔“ ”حید نے پوچھا۔
 ”جی ہاں۔“ اس نے ناک چڑھا کر کہا۔
 ”کس موضوع پر۔“
 ”کئی موضوع ہیں۔“
 اس کے لمحے پر حمید کو غصہ آگیا اور اس نے کہا۔ ”آپ خواہ مخواہ شریف آدمیوں کو بور
 کرتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ کوئی اچھی بات ہے۔“
 ”آپ براہ کرم سوچ سمجھ کر مجھ سے گفتگو کیجئے۔“
 ”گفتگو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“
 ”ہاں تو جناب آپ نے کیا فصلہ کیا ہے۔“ اس نے قاسم کو مخاطب کر کے پوچھا۔
 ”بھی میں کیا بتاؤں۔“
 ”ایک بار تجربے کے لئے سی۔“ حمید بول پڑا۔
 ”ہاں..... ہو تو سکتا ہے لیکن اگر کبھی میرے باپ نے بھی وہ فلم دیکھ لی تو..... میں کیا
 کروں گا سیکریٹری۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اب وہ آدمی بھی کچھ اکھڑا اکھڑا سانظر آنے لگا تھا۔ شاید اس نے
 اندازہ کر لیا تھا کہ سیکریٹری قاسم کے بخی معاملات میں کافی دخیل ہے۔



آخری آرام گاہ

پھر حمید نے کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں، جو اسے اور زیادہ اکھاڑ دینے کے لئے کافی تھیں۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ قاسم کی طرف سے مایوس ہو گیا ہے۔ بہر حال اٹھتے اٹھتے وہ قاسم کو آج شام کی شونک دیکھنے کی دعوت دے دی گیا۔

اسکے جانے کے بعد حمید نے قاسم سے پوچھا۔ ”اس آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“
”خیال..... اچھا تم بتاؤ کیا خیال ہونا چاہئے۔“

”پہلے آپ بتائیے۔“

”دیکھو یا ریکھی ٹھری۔ مجھ سے بحث کبھی نہ کرنا۔ اب تم نے یہ بات چھیڑی ہے تو تم ہی بتاؤ کر کیا خیال ہونا چاہئے۔“

”مجھ تاہی آدمی گرہ کٹ معلوم ہوتا ہے۔“

”گرہ کٹ۔“ قاسم یک بیک اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں اس طرح پھیل گئیں جیسے چیلگنے والے کو کا نام آ گیا ہو۔ ”کیا کہا..... گرہ کٹ“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”تم نے یہ کیسے کہا کہ وہ گرہ کٹ معلوم ہوتا ہے۔“

”صورت ہی سے معلوم ہوتا ہے۔“

”نہیں۔“ تھی تباہ رات کی نے میری جیب کاٹ لی اور اس کے بعد یہ سالا وہیں سڑک پر ملا تھا۔“

”آپ کی جیب کٹ گئی۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”کتنی رقم تھی؟“

”ایک لارن۔“

”ارے نہیں۔“ حمید ہٹنے لگا۔ ”شام کا آپ مذاق کر رہے ہیں۔“

اس پر قاسم نے چیک بک کا قصہ سنایا اور حمید بے حد سخیہ نظر آنے لگا۔

”ہو سکتا ہے۔“ اس نے سر ہلا کر کہا۔ ”آپ کسی اور چکر میں ہو ظاہر ہے کہ وہ نہ تو اب

پہ سے فائدہ آٹھا سکے گا اور نہ چیک بک سے۔ کیونکہ آپ چیک بک کی گمشتگی کی روپورٹ رکھنے ہوں گے۔ لہذا اب وہ کسی دوسرے طریقے سے روپیہ ایشنس کی کوشش کرے گا۔“

”مارڈالوں گا سالے کو۔“ قاسم آستین چڑھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھئے بیٹھئے جتاب۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”مگر آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ نے ”دونوں چیک کس لئے لکھتے تھے۔“

قاسم جو دوبارہ بیٹھ گیا تھا جلا ہٹ میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اپنے کفن کے لئے لکھتے تھے۔“ اب کیا میں تمہیں یہ سب بھی بتاؤں گا۔“

”بہت ضروری ہے ورنہ پھر سیکریٹری رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ سیکریٹری رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر اسے اپنے حالات سے آگاہ نہ رکھا جائے۔“

”جزوری ہے۔“

”بالکل ضروری ہے۔“

”قاسم ہٹلا ہٹلا کر لوی پا لگریو اور اس کے چچا کی کہانی دہرانے لگا۔ جب وہ خاموش ہوا تو حمید نے کہا۔ ”مجھے تو وہ لوگ بھی فراہم ہی معلوم ہوتے ہیں۔“

”ابے جاؤ۔ بڑے آئے سیکریٹری کی دم بن کر۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”سب سالے فراہم ہو گئے۔ تم بڑے اپنھے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں ایک ایک کو فراہم ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔“ حمید نے کہا۔ دفعتاً ایک دیڑنے میز کے قریب آ کر حمید سے کہا۔ ”آپ کافون ہے مشرب نا صر۔“

”میں ابھی حاضر ہوا جاتا۔“ حمید نے قاسم سے کہا اور اٹھ گیا۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے کال ریسیور کی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کائل فریدی تھا۔

”میرا خیال ہے کہ تم نے وقت برداونہیں کیا۔“ اس نے کہا۔

”پتہ نہیں۔“ حمید کا جواب تھا۔

”تمہیں رام گذھ کانا دریاد ہے نا۔“

”ہاں..... اس کے چکر میں پڑ جائے۔“
 ”میں تو اسے الہائے نے کی کوشش کر رہا تھا۔“
 ”نہیں..... پھنسنے دو۔ لیکن خیال رکھو کہ وہ کوئی بڑی قسم ضائع نہ کرنے پائے۔ میں اسی
 نظر تک آدمی کی راہ پر ہوں۔ اچھا بس۔“
 دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔



نادر کو حالات نے ایک بار پھر اسی ماحول میں جھوک دیا جس سے وہ نکل کر بھاگا تھا۔ گو
 نوعیت دوسری تھی لیکن اوازات وہی تھے اسے ایک بار پھر اپنے دل پر سیاہی کی جہیں چڑھانی
 پڑیں۔ وہ سیاہی جس سے کبھی رحم و ایمان کی کرنیں نہیں پہنچتیں وہ سیاہی جو آدمی کو سخت کوئی اور
 ظلم کی طرف لے جاتی ہے لیکن نادر ان حالات میں بھی اکساہوں کے خلاف اپنی تمام ترقوت
 کے ساتھ صرف آر رہتا تھا۔

سلویا اس کے لئے ایک سوال تھی۔ وہ اس سے بنے حد قریب ہو گئی تھی۔ اتنی کروہ اس پر
 تصرف بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ اس سلسلے میں پرانے نادر سے لڑتا ہی رہا۔ ویسے اس سے ایک
 کمین پن ضرور سرزد ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے دونوں ہنی کو دھوکے میں رکھا تھا۔ دھوکے میں
 رکھنے کی معقول وجہ بھی تھی۔ وہ درصلن اپنی تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ ان میں سے کون حق پر
 ہے۔ سلویا سے وہ یہ کہتا کہ وہ اس کے لئے کام کر رہا ہے اور ڈریگی کو یقین دلانے کی کوشش کرتا
 کہ وہ عنقریب سلویا کے حواریوں سے مکرا جائے گا۔ مگر اس نے نہ جانے کیوں ابھی تک سلویا
 سے کوئی رقم نہیں لی تھی اس کے برخلاف ڈریگی سے کافی بڑی تقویات وصول کر کے انہیں اپنی
 حالات درست کرنے پر صرف کرچا تھا۔ ایک بار پھر اس کے جسم سے وہ لباس اتر گیا تھا جو اس

”جی ہاں..... اچھی طرح۔“
 ”تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ کافی دولت مند ہے۔“
 ”جی ہاں۔ مجھے علم ہے۔“
 ”لیکن وہ آج کل یہاں ایک بنگلے میں مالی کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔“
 ”وہاں یقیناً کوئی خوبصورت عورت ہوگی۔“ حمید نے خوش ہو کر کہا۔ ”اس لئے میں بھی
 اس بنگلے میں جھاؤ تو تک دے سکوں گا۔“
 ”اوہ تو تم نادر سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہاں ہاں ایک خوبصورت عورت بھی ہے۔“
 ”مگر میرا خیال ہے کہ وہ عورت کے چکر میں نہیں ہے۔“
 ”میں پھر عرض کروں گا کہ جہاں عورتوں کا معاملہ آپ سے وہاں آپ کوئی خیال قائم
 کرنے میں جلدی نہ کیا سمجھے۔“
 ”یکوم بت۔ تمہیں نادر پر نظر رکھتی ہے۔ یہ معاملہ بھی اہم ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ
 لوئی پا لگریوں کوں ہے۔“
 ”ہاں..... میرے باس کی نئی محبوہ۔“
 ”باں.... کیا مطلب۔“
 ”اس نے مجھے بطور یکریٹری ملازم رکھ لیا ہے۔“
 ”خیر مرنہیں ہے۔ ہاں تو نادر جس آدمی کا ملازم ہے اس کا نام ڈرگ پا لگریوں ہے اور وہ
 عام طور پر ڈریگی کہلاتا ہے۔ لوئی پا لگریوں کی بھتیجی ہے۔“
 ”اوہ..... تو وہ نادر اس کے چکر میں ہو گا۔ وہ بے حد حسین ہے۔“
 ”نہیں وہ اس بنگلے میں نہیں رہتی۔ خیر تو قاسم کی چیک بک کا کیا ہوا۔“
 ”میرے پاس ہے۔“
 ”گذ..... اپنے جارہے ہو۔ کوشش کرو کہ وہ اس فلم ڈائریکٹر کے چکر میں پڑ جائے۔“
 ”پڑ جائے۔“ حمید نے حیرت سے دہرا لیا۔

نے رام گندھ کے ایک شریف آدمی سے قرض لے کر بنا لیا تھا۔ وہ اسے ہرگز نہ اتارتا لیکن اب اسے جس ماحول میں رہ کر کام کرنا تھا وہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

اس وقت وہ سیاہ سوٹ خست کالا اور سیاہ بو میں تھا۔ سلویا پکن میں شام کی چائے تیار کر رہی تھی۔ اس نے فرائینگ پین سے انگے پلیٹ میں الٹتے ہوئے اسے نیچے سے اوپ تک دیکھا اور ایک دلاؤ زیزی مسکراہٹ اس کے ہوتوں پر پھیل گئی۔

”تم بلاشبہ شاندار ہونا در۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیوں نہ ہوں نادم۔“ نادر بھی مسکرا لیا۔ ”کیونکہ آج کل میں مسٹر ڈرگ پالگریو کا پرانجیوٹ سیکریٹری ہوں۔ وہ مجھے تنخواہ دے رہے ہیں اور اپنے اس کارناٹے پر بے حد خوش ہیں کہ انہوں نے بلا خر مجھے رائی کے راستے پر لگائی دیا۔“ ”مگر نادر میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم میرے ہمدرد ہو یا اس کے۔“ ”میں سو فیصدی آپ کا ہمدردی ہوں۔ لیکن اس کام کے اخراجات کا بار آپ پر نہیں ڈالتا جاتا۔ اس نے مجھے مسٹر پالگریو کا ہمدرد بھی بننا پڑا ہے۔“ ”بڑے چالاک ہوں۔“ سلویا مسکرا لی۔

”اور نادم یہ مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر پالگریو ایک بے حد حسین بھتی بھی رکھتے ہیں۔“ ”نہیں....!“ سلویا کے لبھے میں حرمت تھی۔

”مجھے آپ کی حرمت پر حرمت ہو رہی ہے نادم۔ ارے آپ اپنی بھتی لوی پالگریو سے واقف نہیں ہیں۔“

”خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔ اس نے آج تک اپنے کسی عزیز کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ کیا وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔“

”ہاں وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔ نادم۔“

”کہاں۔“

”معاف سمجھئے۔ یہ بھی نہ بتا سکوں گا۔ مسٹر پالگریو کا بنس بہت بڑا ہے۔ میرے

”بازے سے بھی بہت بڑا ثابت ہو سکتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔ مجھے بھی بتاؤ۔ اچھے نادر۔“

”مجھے افسوس ہے نادم۔“

”تم مجھے نادم نہ کہا کرو۔ تم میرے صرف دوست ہو۔“

”نہیں نادم۔ مجھے صرف دوست بننے سے بھی معدود سمجھتے۔ میں ایک باصول آدمی بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہاں اس وقت آپ کا دوست بن سکتا ہوں جب مسٹر پالگریو کی مازمت میں نہ ہوں۔“

”تم بہت عجیب ہو۔“ سلویا خشنڈی سانس لے کر بولی۔

”اس طرح عجیب ہونے میں بڑی لذت ہے نادم۔“

”غیر..... ہٹاؤ۔ تم نے ان لوگوں کے متعلق کیا معلوم کیا جو ڈریگی کی جان لیدا چاہتے ہیں۔“

”میں بھی تک ان کے سراغنہ کا پتہ نہیں لگا سکا۔ ویسے وہ چاروں میری نظر میں ہیں جن سے اس عمارت میں نہ بھیڑ ہوئی تھی۔ اب میرا خیال ہے نادم کہ آپ نے اپنے والد کو خواہ مخواہ پلیں کے حوالے کیا۔ وہ لوگ صرف اتنا تھا چاہتے تھے کہ مسٹر پالگریو ان کی اس سازش سے آگاہ ہو سکیں۔ میری دخل اندازی فضول تھی۔ نہ آپ کے والد کو کوئی گزند پہنچا اور نہ آپ کو.... وہ تو مسٹر پالگریو کے لئے ایک دھمکی تھی۔“

”آخ ڈریگی کیا کر رہا ہے اور وہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں۔“

”اب صرف بھی دیکھتا ہے نادم۔“

”تمہارے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈریگی کے متعلق مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔“

”یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ آپ ان کی بھتی لوی پالگریو ہی سے واقف نہیں ہیں۔“

”مجھے بتاؤ نادر۔ خدا کے لئے الجھن میں بھلانہ کرو۔“ وہ نادر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ وہ اس سے اتنی قریب تھی کہ نادر اس کی سانسیں اپنی گردن پر محبوس کر رہا تھا۔ اس نے

ایک مجرجری کی لی اور آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا اور پیچے ہٹا ہوا بول۔
”اچھا ب اجازت دیجئے مادام۔“
”ارے..... چائے تو۔“

”نہیں مادام..... میں بہت جلدی میں ہوں۔ کہیں اور پی لوں گا۔ بہت بہت شکر یہ۔“
”وہ باہر نکل آیا۔ اس کی کپٹیاں تیخ رعنی تھیں اور آنکھوں کی ویسی عینی کیفیت تھی جیسے کسی
تیر قدم کی شراب کے پہلے ہی گھونٹ نے ان پر ٹھوکر ماری ہو اور اس کے جسم میں ہزاروں
اگذاں کیاں پھل رعنی تھیں۔“



قائم کو پہنچل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح حیدر اے قابوی میں
رکھتا تھا۔ خود حیدر کے لئے بھی نہت دشوار تھا کہ ہر وقت اپنے میک اپ کا دھیان رکھتا کہ تو
خراب نہ ہونے پائے۔ لیکن اس کی اصل آواز نہ ظاہر ہونے پائے۔ بھی بھی تو اسے اپنی آواز
پر بالکل عین قابو نہ رہ جاتا۔ مگر قائم کو اتنی تمیز کہاں تھی کہ اسے شیرہ ہو سکتا۔

اویسے قائم اپنے سیکریٹری سے بے حد خوش تھا کیونکہ وہ ہر وقت مرغ مسلم، بکرے کی
رائی اور ٹگڑی ٹگڑی عونوں کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے گر کی باتیں بھی
سمجھیا کرتا تھا یہ اور بات ہے کہ لاکیوں پر ڈورے ڈالنے کی وہ ساری تھوڑی سیں ناقابل عمل رعنی
ہوں بلکہ انہیں ناممکن اعمل عین کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔

اس کی چیک بک اب بھی حیدر کی کپٹی کے پاس تھی اور اب کیش بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتا
جا رہا تھا۔ مگر قائم بالکل بے پرواہ تھا کیونکہ سیکریٹری نے آخر دم تک اس کی مدد کرنے کا وعدہ
کیا تھا۔ قائم نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ کیوں نہ دو ایک دن کے لئے دار الحکومت جائے

اور روپے کا انتظام کرنے کے واپس آجائے۔

ویسے اب اس نے باقاعدہ طور پر چیک بک کی گمشدگی کی رپورٹ درج کر ادی تھی اور
بینک سے استدعا کی تھی کہ اسے دوبارہ چیک بک ایشونی کی جائے لیکن حیدر کی حکمت عملی کی وجہ
سے ابھی تک دوبارہ چیک بک ایشونیں ہو سکی تھی۔

لوئی پاگریو قاسم سے بر ابرمل رعنی تھی۔ گواں نے اب اس سے روپیوں پیوں کی بات
کرنا ترک کر دی تھی۔ مگر اپنی پریشانیوں کی داستان ضرور چھیڑ دیتی تھی اور قاسم حیدر پر گرنے
ہرنے لگتا تھا کہ اس نے بینک سے اب تک نئی چیک بک حاصل نہیں کی۔ حیدر لوئی کے سامنے
ہی مسکی صورت بنا کر گزر گوانے لگتا۔

لیکن لوئی جو بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتی تھی ان معاملات کو کسی حد تک سمجھ بھی چکی
تھی، اسے شاید شہر ہو گیا تھا کہ حیدر عین کی وجہ سے ڈال نہیں گل رعنی ہے۔ لہذا اب اس نے
آہستہ آہستہ حیدر کی طرف بھی ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا تھا۔
اور آج تو حیدر اس کے روئے پر تمیز رعنی رہ گیا تھا۔

وہ شام کو اپنے کمرے میں تھا اور شام کی چائے کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ تیر چائے کی
ڑتے کے ساتھ ایک خط بھی لایا جو لوئی پاگریوں نے لکھا تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ
صرف اس سے آٹھ بجے بلیو مون کلب میں ملتا چاہتی ہے۔ حیدر نے سر کو خفیضی جبکہ دے
کر خط جیب میں ڈال لیا۔

بلیو مون یہاں کا سب سے باروف قلب تھا اور یہاں گذر بھی اوچے ہی طبقے کے لوگوں
کا ہوتا تھا۔

حیدر قاسم سے کوئی بہانہ کر کے وہاں جا پہنچا۔ لوئی اس کی منتظر تھی۔ حیدر نے اس وقت
اوسے معمول سے زیادہ حسین محسوس کیا کیونکہ اس نے خود کو نکھارنے میں شاید معمول سے زیادہ
اهتمام کیا تھا۔

”میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر تھی۔“ اس نے مسکرا کر کہا اور حیدر نے بھی کسی

”اوہ بھی۔ تم نے شام کو مجھ سے روپے مانگے تھے۔ میں بھول گیا تھا۔ میں نے سوچا تم بینیں ہوگی۔ دیتا چلوں۔“

”ہاں میں بھول گئی۔“ اس نے بس کر کہا۔ پھر بوكھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ”انکل ان سے ملتے۔ یہ میرے دوست مسٹر ناصر ہیں اور یہ میرے انکل مسٹر ڈرگ پاگریو۔“

”بڑی خوشی ہوئی جناب۔“ اس نے لاپرواں سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا اور جیب سے سو روپے کے پانچ نوٹ نکال کر لوی کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میں رات کو باہر ہوں گا۔ روئی کی پانچ ہزار گاہیں جاپان کے لئے بک کرانی ہیں۔“

جید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی چال عجیب تھی نہ جانے کیوں جید کو اس کے چلنے کے انداز پر بڑا غصہ آیا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ یا تو تم بہت ایماندار آدمی ہو۔ یا اپنا گھر بھر رہے ہو۔ اگر دوسرا بات صحیح ہے تو مجھے اس حق سے ہمدردی ہے۔“

”ہونی بھی چاہئے کیونکہ وہ مالدار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ کے بیان کے مطابق حق بھی ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ان سے زیادہ چالاک آدمی میری نظروں سے گذرائی نہیں۔“

”اوہ وو....!“ لوی نے متjur ان لمحے میں پوچھا۔ ”تو کیا وہ خود کو یوقوف ظاہر کرتا ہے۔“

”پہلی بار یہ سوال میرے سامنے آیا ہے اس نے عرض کروں گا کہ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ ویسے آج تک کسی لوٹبھی نہیں ہو سکا کہ وہ خود کو یوقوف ظاہر کرتے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”آپ نے یہ بتذکرہ کیوں چھیڑا تھا اور مجھے بلا نے کا مقصد کیا تھا۔“

”تمہاری باتیں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں لیکن وہ تمہیں بولنے نہیں دیتا۔ میں درستک تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے آج تمہیں بیہاں بلایا ہے۔“

”میں بے حد مخلوق ہوں۔“ جید نے بس کر کہا۔ ”لیکن اگر بیاس کو اطلاع ہو گئی تو میری ہڈیاں چور کر دیں گے۔“

عیاش آدمی کے سے انداز میں چند رکی بچلے کہے۔

”میں ڈر رعنی تھی کہ کہیں قاسم کو بھی نہ لیتے آؤ۔ وہ بہت بور کرتا ہے۔“ لوی نے کہا۔

”میں بھلا انہیں کیسے لاسکتا تھا۔ میں تو بہر حال ان کا ملازم ہوں۔“

”بہت چالاک ہو۔“ لوی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

”میں نہیں سمجھا۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“

”وہ میرا پن فرینڈ ہے۔ میں نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مگر اب مجھے انی غلطی پر بے حد افسوس ہے۔ پن فرینڈ کو بھی ایک دوسرے سے نہ ملتا چاہتے۔ بڑی مایوسی ہوتی ہے اور سارا خلوص رخصت ہو جاتا ہے۔“

”آہا..... تو آپ کو میرے بیس سے مل کر مایوسی ہوئی ہے۔“

”یقیناً ہوئی ہے۔ وہ پرے سرے کا یوقوف اور گاؤڈی ہے۔“

”دیکھئے محترم۔“ جید کسی چڑچڑی عورت کی طرح نختے چلا کر بولا۔ ”آپ میرے سامنے میرے بیس کی توہین نہیں کر سکتیں۔“

”ہاہاہا.....!“ وہ جید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر فٹی ”اور تم..... دوسروں کو یوقوف بناتے وقت بے حد پیارے لگتے ہو۔“

”کیا مطلب.....!“

”تم اس گاؤڈی پر اچھی طرح ہاتھ صاف کر رہے ہو۔ اب تک لکنی رقم بنائی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے وہ ازب پتی ہے۔“

”مجھے سات سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن آپ کے خیالات بہت خراب معلوم ہوتے ہیں۔“

”آہا..... لوی تم بیہاں ہو۔“ کسی نے پشت سے کہا اور جید چوک کر مڑا۔ ایک موٹا سا بے ہنگم یوریشن میری طرف بڑھ رہا تھا۔

”اوہ..... انکل..... آئیے..... آئیے۔“ لوی اٹھتی ہوئی بولی۔

”کیوں اسے کیا اعتماد ہو سکتا ہے؟“

”یہ تو آپ نہیں جانتیں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”وہ آپ کے پرستار ہیں۔ اکثر کہتے ہیں کہ آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور ان کا خیال ہے کہ آپ بھی ان کی یاد میں اسی طرح ترقی ہوں گی۔“

”اس نے مجھے غلط سمجھا ہے۔“ یک بیک وہ غصیل آواز میں بولی۔ ”کتنا غو خیال ہے۔“ دوستی کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ عشق ہی کی شکل اختیار کر لے۔ کیا یہ وہ خیال ہے۔ تم نے میرا مودہ خراب کر دیا۔“

”خیر آپ کو عشق نہ ہو گا مگر انہیں تو ہو گیا ہے۔“ وہ ہر وقت آپ کی باتیں کرتے ہیں۔ ہر وقت آپ کے خیال میں کھوئے رہتے ہیں۔ اگر کھانا کھاتے وقت آپ کا خیال آگیا تو کھاتے ہی چلے جائیں گے۔ اس معاملے میں وہ گرینڈ کے نیجے کیلئے ایک مسلم بن گئے ہیں۔ ”میں اب اس سے نہیں ملوں گی وہ بڑے گندے خیالات رکھتا ہے۔“ ”عشق کی توہین کریں ہیں آپ۔“

”اچھی بات ہے۔ اگر تم صرف اس کے عشق ہی کا تذکرہ کرنا چاہتے ہو تو چپ چاپ اٹھ جاؤ۔ میں ایک بند کے لئے بھی تمہارا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔“

”اوہ۔“ حمید آنکھیں بند کر کے مسکرا یا۔ ”آپ غصے میں کتنی اچھی لگتی ہیں۔“

”اب تم نے بھی بکواس شروع کر دی۔“

”اوہ۔ میں نے تو یوں ہی رسما کہہ دیا تھا ورنہ آپ کی شکل پر تو ایسی پھٹکار برستی ہے کہ خدا کی پناہ۔“

لوئی شش در رہ گئی۔ وہ آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

”جب آپ جلاہت میں کچھ کہتی ہیں تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے انہوں پر پیشی ہوئی مرغی کو چھیڑ دیا ہو۔“ جب آپ فتحتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چکاڑ ”چک چک“ کرتی ہوئی سر پر سے گذر گئی ہو اور جب.....!“

”خاموش رہو۔“ وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی۔ ”اگر میں نے خود ہی تمہیں نہ بلایا ہوتا تو بہت بُری طرح پیش آتی۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔“

”نہیں..... میں جھک مار رہا ہوں جب میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تو وہ بکواس ہو جاتی ہے اور جب برا بیاس بیان کرتا ہوں تو وہ آپ کی توہین ہو جاتی ہے پھر میں کیا کروں۔“

”پچھے بھی نہیں۔ جتنا وہ یقوق ہے اس سے کہیں زیادہ تم چالاک ہو۔“

”آپ نہ سمجھے محترمہ۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ مجھے عصرا آجائے۔“

”کیا ہو گا۔ تمہارے غصے سے میرا کیا بگرے گا۔“

”آپ کسی کو مند کھانے کے قابل نہ رہ جائیں گی۔“

”کیا مطلب...؟“

”میں نہیں اسی میز پر سر کے مل کھڑا ہو کر آپ کی محبت کے گیت گاؤں گا اور اس وقت تک گا تار ہوں گا جب تک کہ یہاں کا ایک ایک آدمی ہماری طرف متوجہ ہو جائے گا۔“

”اچھا تم اس کی حمایت کا شہود ہی چاہتے ہوئے۔“ لوئی نے کہا۔ ”تو میرے گھر چلو، میں اپے اس بیان کے سلسلے میں کچھ پیش کروں گی۔“

”چلنے میں تیار ہوں۔“

”وہ دونوں اٹھ گئے۔ حمید سورج رہا تھا کہ یا تو اب کوئی حادثہ ہونے والا ہے یا وہ لاکی اس کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے اب کوئی نیچاں چلانے لے گئی۔“



چیزے ہی نادر کو ہوش آیا وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ حالانکہ ابھی اس کی نظر تک ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن کچھ بھائی نہیں دیتا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا

نادر کا ذہن بھکٹا رہا اور وہ آنکھیں بند کئے زمین پر پڑا رہا۔ اب اسے اس واعظ پر بھی نہ آ رہا تھا۔ جس کی نصیحتوں نے اُسے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔ شاید اگر اسے پاگل کتا کاٹ پہاڑ بھی اس سے ایسی دیواگی سرزدہ ہوتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دیواگی ہی تو تھی کہ وہ صدھا ساتھوں پر لالات مار کر ایک لفگے کے بیہان با غبانی کر رہا تھا۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب تو شاید وہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا جو ذریگی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں مگر فرمائی اُسے احساس ہوا کہ اب آنکھوں کے سامنے پہلی ہوئی زردی میں کہیں کہیں سیاہ دھبے بھی نظر آنے لگے ہیں۔ آہستہ آہستہ وہ دھبے بڑے بڑے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ آنکھیں چھاڑتا رہا۔ کچھ دیر بعد آنکھوں کے سامنے پہلی ہوئی زردی حیرت انگیز طور پر سمت کر ایک چھوٹے سے نقطے میں تبدیل ہو گئی اور یہ نقطہ ایک روشن بلب تھا جو چھت سے لٹک رہا تھا اور اس کی روشنی چاروں طرف کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے سیاہ دھبے دراصل بڑی بڑی سیاہ رنگ کی الماریاں تھیں، جو کمرے میں چاروں طرف نظر آئی تھیں۔ نادر نے پہلی ہی نظر میں انہیں گن لیا۔ یہ بارہ تھیں۔ کمرہ کافی طویل و عریض تھا لیکن اس میں اسے ایک بھی دروازہ نظر نہ آیا۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنے لگا۔ اس کی مضطرب آنکھیں برابر گردش کر رہی تھیں پھر وہ ان الماریوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک کے پیشہ پر تھوڑی سی قوت صرف کی اور اس کا دروازہ کھل گیا لیکن دوسرا نئی لمحے میں نادر کو اچھل کر پیچھے ہٹ آنا پڑا۔

الماري کے اندر انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ بڑے بڑے دانت نکالے آنکھوں کے سوراخوں سے اُسے گویا ڈرائے کی کوشش کر رہا تھا۔ نادر چند لمحے اُسے گھوٹا رہا پھر آگے بڑھا۔ ڈھانچے کے قریب ہی اُسے ایک تصویر نظر آئی یہ کسی ڈکش خدو خال والی لڑکی کی تصور تھی۔ تصویر کے پیچے تحریر تھا۔

گریشی براؤں

عمر اخبارہ سال۔ شبتم سی خنک..... پھولوں سے حسین۔ اس کا

جیسے اس نے پانی میں غوطہ لگا کر آنکھیں کھول دی ہوں۔ بُس اسے زردرنگ کا احساس تھا۔ بے داغ اور ساٹ زردرنگ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے انہوں کی طرح اپنے چاروں طرف زمین ٹوٹی اور سر جھکا کر آنکھیں چھاڑنے لگا۔ لیکن نہ تو اُسے زمین نظر آئی اور نہ اپنے ہاتھی دکھائی دیئے۔ یقچ بھی چمکدار زردرنگ نظر آ رہا تھا۔

وہ بے تحاش لیٹ گیا۔ سر زمین سے ٹکرایا۔ چوت کا احساس بھی ہوا جہاں چوت آئی تھی وہاں ہاتھ سے ٹوٹا بھی لیکن زردرنگ بدستور حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ بے داغ ساٹ زردرنگ۔

اب بھی اُسے اپنے ہاتھی دکھائی دیئے۔ حالانکہ اس نے انہیں اپنے چہرے پر بھی پھیرا تھا اور آنکھوں کے قریب لا کر بھی دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

اس نے سوچا کیا وہ انہوں ہو گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ ان چاروں آدمیوں میں سے ایک کا تاقاب کر رہا تھا جس سے سلوکی کے معاملے میں ایک عمارت میں نہ بھیڑ ہوئی تھی۔

وہ آدمی ایک عمارت میں داخل ہوا تھا اور نادر نے پھر اسی رات کی طرح اس عمارت میں بھی داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ عمارت کی پشت پر بھیل ہوئی نیل کے سہارے دیوار پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے بھیل سی چک گئی تھی اور ایسا محسوس ہوا تھا جیسے دھوئیں کے بادلوں کا ایک بہت بڑا جھنڈا اس کے پھیپھدوں میں داخل ہو گیا ہو۔ اس کا دم گھلنگا تھا اور نیل کی جٹائیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد کے واقعات کا ہوش اُسے نہیں تھا۔

اور اب اس کی آنکھوں کے سامنے زردرنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ دل میں اپنی حماقت پر افسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اُسے رام گذھ سے بھاگنا ہی حماقت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیکی اور سچائی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ البتہ آدمی نے ہمیشہ ان کے خواب ضرور دیکھے ہیں۔ وہ بھی اس وقت جب بدی سے نیچے کی اس میں سکت ہی نہیں رہ گئی جب وہ بالکل ہی بے بُس ہو گیا تو اس نے نیکی اور سچائی کے خواب دیکھے۔

والوں کی آخری آرام گاہیں یہ الماریاں ہیں۔
کیا تم اس کرے میں تیرھوںیں الماری کا اضافہ
پسند کرو گے۔ نہیں تم اتنے احتق نہیں معلوم
ہوتے۔“

نادر اس تحریر کو آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ پھر اچانک الماری دوبارہ گھمک کر اپنی جگہ
پر آگئی۔ نادر اپنے خلک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

باس کی محبوبہ

حید بہت احتیاط سے اس عمارت کی کپاؤ غریب میں داخل ہوا۔ لوی اُسے اپنے ساتھ لانے
میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ حید سے راستے بھر پیاری پیاری باقی کرتی آئی تھی مگر حید اپنی
کھوپڑی کی حدود سے باہر نہیں ہوا تھا۔ اچھی طرح ہوشیار تھا۔ یعنی ضرورت پڑنے پر ہر قسم کے
حالات کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

اصل عمارت میں بھی قدم رکھتے وقت اس نے ادھر اُدھر دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ اسٹڈی میں
بھی پہنچ گیا اور کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

لوی نے اس کے قریب ہی کھڑے ہو کر انگرائی لی۔

”تم صحیح بڑے عجیب ہو۔“ وہ خوابناک انداز میں مسکرائی۔

”جب آپ بچھڑوں بار مجھے عجیب کہنے کا ارادہ کریں گی تو میں اس دنیا میں نہ ہوں گا۔
اوے نوٹ کر لیجھ۔“

لوی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ”تمہارا انداز گفتگو ہی تو بے حد پیارا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ
اب تم اس احتق کا ساتھ چھوڑ دو۔ میں اینے آفس میں تمہارے لئے کوئی معقول سی جگہ نکلائے

صرف اتنا ہی تصور تھا کہ یہ ایک پولیس آفیسر کی نظر وہ میں آگئی تھی۔
اس لئے اس کی ہڈیوں کو گوشت و پوسٹ سے بے نیاز ہونا پڑا۔ عظیم
ٹویڈا ایک ایسا فکار ہے کہ چشم زدن میں ہڈیوں سے گوشت الگ
کر دیتا ہے۔“

نادر کا نیپ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ اسی خوبصورت لڑکی کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور یہ
ٹویڈا.....ٹویڈا..... تو وہ ٹویڈا کے جال میں آپھنسا ہے۔ وہی ٹویڈا جس کا غلطہ ایک بار
دار الحکومت سے اٹھا تھا اور جس پر نادر نے سوچا تھا کہ شاید دار الحکومت کی پولیس کو فرنچک ہو گئی
ہے۔ بھلا ٹویڈا یورپ کی شکار گاہ چھوڑ کر یہاں کیوں آئے گا۔

اس نے یکے بعد دیگرے ساری الماریاں کھول کر دیکھیں اور دل ہی دل میں ٹویڈا کو
گالیاں دیتا رہا۔ ان سکھوں میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے اور ہر ڈھانچے کے ساتھ ایک
تصویر تھی۔ تصویروں کے نیچے تحریریں بھی موجود تھیں جن سے ان لوگوں کی شخصیت پر روشنی پڑتی
تھی۔ جنہیں کسی نہ کسی علت میں سزا کے طور پر ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔
ان میں خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں اور مرد بھی۔ یہ سب ٹویڈا کے مجرم تھے اور ٹویڈا ہی ان کی
موت کا باعث بنا تھا۔

نادر نے الماریاں بند کر دیں اور کرے کے وسط میں آ کھڑا ہوا۔ اس کی نانگیں کاپ
رہی تھیں۔ وہ انہیں کو شکر رہا تھا کہ نانگوں کے لرزنے پر قابو پا سکے لیکن ابھی تک کامیاب
نہیں ہوا تھا۔ وختاً اس نے ایک الماری کو اپنی جگہ سے ہٹکتے دیکھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی تھی
اور جتنی جگہ اس نے پہلے گھیر کھلی تھی اتنی ہی جگہ میں دیوار پر ایک روشن گردھندھلا سائیش نظر
آیا جس پر بڑے بڑے سیاہ حروف میں تحریر تھا۔

اور یہی انجام تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ ورنہ
عظیم ٹویڈا کی ہر خواہش کے سامنے سر جھکا دو۔
اس کے بنائے ہوئے قوانین کی حدود سے نکلنے

کی کوشش کروں گی۔
”کیوں“

”تاکہ میں تم سے روزانہ لکھوں۔“

”آخراً پر روزانہ کیوں ملتا چاہتی ہیں۔“

”تم مجھے بہت..... یعنی کہ..... تم بہت اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو۔“ لوی نے آہستہ سے کہا اور پیچھے دیکھنے لگی۔ یہ انداز شرما جانے کا ساتھا۔

”ہاں دیکھئے۔ آپ مجھے یہاں اس لئے لائی تھیں کہ میرے باس کے احقر ہونے کا ثبوت پیش کریں گی۔“

”ارے ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں وہ احقر نہیں معلوم ہوتا۔“

”محترم۔“ حمید غصیلے لمحے میں بولا۔ ”میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ مجھے احقر نہیں معلوم ہوتے۔“

”میں نے فضول اتنی کوشش کی۔“ لوی نے مایسانہ لمحے میں کہا۔ ”تم اس کا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔“

”ہر شخص اپنے فائدے کی سوچتا ہے۔“

”آہا۔“ لوی بیساخندہ پڑی۔ ”تو آگئی نافائدے کی بات۔“

”کیوں نہ آئے۔ میرا باس مجھے بہت زیادہ تنخواہ دیتا ہے۔“

”جھوٹے ہو۔ تنخواہ کے علاوہ بھی تم اس سے بڑی بڑی رقمیں انتہتے ہو۔“

”چلے اب میں اس کی تردید بھی نہیں کروں گا۔ پھر۔“

”کچھ نہیں۔ مزہ کرو۔ میرا کیا بگوٹا ہے۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ اب مجھے اس گذھے سے ملنائے پڑے۔ ایک بار ملنے کے بعد شائد پھر نہ ملتی۔ مگر تم....!“

”میں نے کیا کیا ہے۔“ حمید نے پھر چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

”تم نے بہت کچھ کیا ہے۔ وہ مختنڈی سانس لے کر بولی۔“ تم پہلے مرد ہو جس نے مجھے

اتنا متاثر کیا ہے۔ میں صرف تمہاری خاطر اسے ناپسند کرنے کے باوجود بھی اس سے ملتی رہی ہوں۔ کسی عورت سے پوچھو کر یہ کتنا مشکل کام ہے۔“

”فی الحال مجھے ہی عورت تصور کرو۔ میں کہتا ہوں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

”اُسے بھی جہنم میں جبو نکو۔ میں تو تمہیں اپنی دلی کیفیت بتا رہی ہوں۔ تمہیں یقین آئے یا نہ آئے مجھے اس کی ذرہ برا بر بھی پرواہ نہ ہوگی۔“

”ہاں..... اب آپ نے کہی ہے پتے کی بات۔ بس اسی طرح میرا باس بھی آپ سے

بے حد محبت کرتا ہے۔ آپ کو اس کی پرواہ ہو یا نہ ہو۔“

”اس گذھ کی بات نہ کرو۔ اس کے تصور ہی سے مجھے گھن آتی ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہارے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے۔“

حمید نے دو چار بار پلکیں جھپکائیں۔ پھر بے حد مغموم نظر آنے لگا۔

”جواب دو۔“ لوی نے اس کا بازو پکڑ کر جھوڑا۔

”میں اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتا جب تک کہ میرا باس آپ سے محبت کرنا نہ چھوڑ دے۔“ حمید نے مغموم لمحے میں کہا۔

”ارے..... کیا تم بھی اسی کی طرح احقر ہو گئے ہو۔“

”نہیں محترم۔ میں بہت باصول آدمی ہوں اور لالیے ایک خبر لالیے تاکہ میں اپنادل چیر کر آپ کو دھا سکوں کہ آپ کے لئے اس میں کتنی جگہ ہے مگر ایک باصول اور شریف آدمی اسی طرح سلگ کر مرجاتا ہے کبھی اپنی زبان پر وہ نہیں لاتا جو اسے ضرور کہنا چاہئے۔“

”ڈیزیر۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھکتی ہوئی بولی۔ ”تم لتنے شاندار گذھے ہو۔“

اور پھر وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

حمدید کی آنکھوں سے دو آنسو گالوں پر ڈھلک آئے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں جانتا ہوں کہ میرا باس پاک فراز ہے اُسے آپ سے قطعی محبت نہیں ہے مگر چونکہ وہ زبان سے بیکی کہتا ہے اس لئے میں اس کا پابند ہوں۔“

”ہاں بھی تم نے اسے فراہ کہا تھا۔“ لوی نے کہا۔
”قطیعی فراہ ہے اور انتہائی چالاک۔“ حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اس نے تمہیں درتہارے چچا کو بھی الو بنا لیا ہے۔ چیک بک وہ باہر پہنچ گیا تھا گرہ کٹ کی کہانی بکواس تھی۔ ررے سے بکواس۔ وہ بعد میں پس رہا تھا تم لوگوں کا مسحکہ اڑا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ تو میں نے محض زرع ڈالنے کے لئے وہ چیک لکھ ڈالے تھے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے تو میں وہ چیک بک اسی کے کمرے سے برآمد کر سکتا ہوں۔“

”مگر یہ کتنا برا کمینہ ہے۔ اتفاق سے میری زبان سے اپنی موجودہ پریشانیوں کے علقن کچھ نکل گیا تھا۔ اس نے خود ہی پچاپس پچاپس ہزار کے دو چیک لکھے تھے اور مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں انہیں لے لوں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہہ دیا کہ جلو میرے چچا کے پاس..... اگر وہ لے لیں تو مجھے بھی کوئی انکار نہ ہو گا۔ میں بھی تمی کہ اسی جگہ سے بات ٹل جائے گی۔ لیکن وہ میرے ساتھ یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور پھر یہاں آ کر میرے چچا کے پیچھے پڑ گیا۔ مجبور انہیں کہنا پڑا اُو بھی دے دو۔ لیکن اس نے بولکار اپنی جیسیں مٹولیں اور کسی نامعلوم گرہ کٹ کو گالیاں دینے لگا۔“
”ہااا.....!“ حمید نے قہقهہ لگایا۔ ”اب بھی تم اسے حق کہو گی۔“

”نہیں۔ مگر اب اسے سزادی نے کوڈل چاہتا ہے۔ کیا اس نے وہ دنوں چیک ٹینسل نہیں کئے۔“
”نہیں..... چک بک جوں کی توں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی قطیعی غلط ہے کہ اس نے باقاعدہ طور پر چیک بک کی گشتنی کی اطلاع دے دی ہے۔“
”تب تو سنو ڈیز۔ اسے سزادی تھا چاہئے۔ تم کسی طرح وہ دنوں چیک اڑا دو۔ اس گدھے کو کچھ دن پریشان کر کے اس کے روپے کسی پھرے پرانے جوتے میں بھر کر پھر اس کے منہ پر مار دیں گے۔“ لوی نے کہا۔

”نااا..... بیااا.....!“ حمید کافنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میں نہیں اڑا سکتا۔“
”ہشت ڈرپوک۔“ وہ برا سامنہ پنا کر بولی۔ ”یہی موقع ہے بدله لینے کا۔“

”بیٹھ جاؤ۔ ارے تم رونے لے گے۔ چھپی چھپی بڑی بات ہے۔ اچھا میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ بیٹھو۔“ اس نے اسے صوفے میں دھکیل دیا اور خود بھی اس پر لدی پڑی۔
حمید کے کافنوں میں پریشانی بجھے لگیں اور قریب تھا کہ وہ کھوپڑی کی حدود سے تجاوز کر جائے دھلتا اسے خیال آ گیا کہ یہ لڑکی بچھے مجھے گھنسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لہذا اس نے پہلے تو لوی کے جسم کی لمس کی پرواہ کئے بغیر اپنے آنسو خنک کئے اور آہستہ سے ایک طرف کھمل ہوا بولا۔ ”دیکھنے میں بہت ستم رسیدہ ہوں۔“

”آج تک کوئی بھی مجھ سے ہمدردی سے پیش نہیں آیا۔ میرا باس ہی مجھے ہر وقت گالیاں دیتا رہتا ہے۔ مگر چونکہ نپیے اچھے ملتے ہیں اس لئے سب کچھ برداشت کر لیتا ہوں۔“

”قدرتی بات ہے۔ بڑا کمینہ ہے۔ وہ اب ملے گا تو اس کا منہ نوچ لوں گی۔“
حمید کی آنکھوں سے پھر آنسو امبل پڑے اور وہ باقاعدہ رونے لگا۔ لوی نے جھپٹ کر ایک بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو خنک کرنے لگی۔ مگر حمید بوکھلا گیا کہ کہیں میک اپ ظاہرنہ ہو جائے۔ اس لئے وہ ترپ کر اس کے باسیں بازو سے نکل گیا اور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”دنیا نے مجھے پیش کر رکھ دیا ہے۔ اب میں خود کشی کروں گا اور اب میں اپنے کینے باس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ صبح شہر کے کسی حصے سے میری لاش اٹھوایں۔“

لوی نے جھپٹ کر اس کی کرپکڑی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بے وقوف آدمی سے کھیل رہی ہو۔

”چلو..... بیٹھو..... یہ کیا پاگل بن ہے۔ اگر تمہیں اس گدھے سے کوئی شکایت ہے تو اسی کا خاتمہ کر دو۔ تم کیوں مرد۔ واقعی اس کی صحبت نے تمہیں بھی الحق بتا دیا ہے۔“

حمدید ایک کری پریٹھ کر آنکھیں ملنے لگا اور وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی اسے دلاسرہ دیتی رہی۔ ویسے حمید نے اس بار ایک ایسی کھنچ کر لی تھی جس پر کسی دوسرے کے لئے نگماش نہ نکل سکے۔

”میں تو نہیں اڑا سکتا لیکن وہ جگد بنا سکتا ہوں جہاں چیک بک رکھی ہوئی ہے۔ میں نیچے باس کو باتوں میں لگائے رہوں گا تم اڑا دینا۔“

”اچھا چلو یہی سکی۔ مگر دندرے سے نہ پھرنا۔ میں چاہتی ہوں اسے ایک ایسا اچھا سبق دیا جائے۔“



نادر کسی پھر کے بت کی طرح کمرے کے وسط میں ہے جس درجت کھڑا تھا۔
دفعتاً آٹھ نمبر کی الماری اپنی جگہ سے کھک گئی اور اس کی پشت پر دیوار میں خلاء نظر آئی۔
جس نے دیکھتے ہی دیکھتے دروازے کی شکل اختیار کر لی۔
دوسری طرف بھی روشنی ہی تھی۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ اب وہ کسی قسم کی بھی
بے اختیاطی کے لئے تیار نہیں تھا۔

دفعتاً ایک نقاب پوش اُسے دوسری طرف نظر آیا، جو اس کی جانب ہاتھ پھیلائے ہوئے
پیدا سے کھڑا رہا تھا۔ آؤ دوست۔ خوش آمدید۔ تم اسی جگہ پہنچ گئے ہو جو تمہارے شیلیان شان ہے۔
آؤ عظیم ٹو یوڈا نے عہد کیا تھا کہ تمہیں فرشتہ نہیں بننے والے گا وہ آج بھی اپنے عہد پر قائم ہے۔“
نادر آگے بڑھ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان پر اس کی کوئی کمزوری ظاہر ہو جائے۔ وہ بڑے بے
بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ٹو یوڈا کے نام نے اُسے مرعوب کر دیا ہے۔ وہ بڑے بے
تكلف انداز میں نقاب پوش کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے اس سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور
مسکراتا ہوا بولا۔ ”اگر تم ہی ٹو یوڈا ہو تو تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

”میں ٹو یوڈا کا ایک ادنی خادم ہوں۔ دوست مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں یہاں کے
عجائب دکھاؤں۔“

”ہاں! ضرور ضرور۔“ نادر مسکرا کر بولا۔ ”ابھی میں نے بارہ آدمیوں کی آخری آرام

گاہیں دیکھی ہیں، واقعی ٹو یوڈا ایک بہت بڑا فکار ہے۔“
”ابھی ایسے ہی بیترے عجائبات ہیں۔ اچھا آدمیرے ساتھ۔“
وہ ایک سمجھی راہداری سے گذر رہے تھے۔ دفعتاً نادر نے کسی کی چیزوں اور کرایہیں سنیں۔
نقاب پوش نہ رہا تھا۔ ”یہ بھی جو جو ہے۔ مسٹر نادر آؤ پہلے اسی کو دیکھیں۔“
وہ اسی کمرے میں داخل ہوئے جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔
ایک بڑی میز پر ایک نیم برهنہ آدمی انہا پڑا تھا اور دوسرا آدمی داہنے ہاتھ سے
زنبوڑ پکڑے اس کی پشت سے کوئی چیز نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
”آؤ..... قریب آؤ..... میں تمہیں ٹو یوڈا کا دوسرا ایک دکھاؤں۔“ نادر کے ساتھی نے اس
سے کہا۔ نادر میز کے قریب چلا گیا۔ دفعتاً اس نے دوسرے آدمی کے زنبوڑ کی گرفت میں ایک
باریک سی سوئی دیکھی، جو اس نے نیم برهنہ آدمی کے داہنے شانے سے نکالی تھی۔
”ایسی ہی لاتقداد سویاں اس کے سارے جسم میں پیوست ہیں۔ نقاب پوش کا ساتھی کہہ
رہا تھا۔ اور یہ سویاں اس کا ثبوت ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بھی عظیم ٹو یوڈا کے سامنے
بالآخر بے بس ہو جاتا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“ نادر نے کہا۔
”عظیم ٹو یوڈا اپنے غلاموں کو باندھ کر نہیں رکھتا۔“
”میں اب بھی نہیں سمجھا دوست۔“ نادر نے بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
”یہ ٹو یوڈا کا قیدی تھا اور اسی عمارت میں تھا۔ آج ٹو یوڈا نے اسے اس شرط پر آزاد کیا
تھا کہ وہ ٹھیک نوجے اسی عمارت میں واپس پہنچ جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ نو بجے
تک واپس نہیں آیا بس پھر یہ جہاں بھی تھا وہیں ٹھیک نوجے کر پائی منٹ پر اس کے جسم میں
سویاں چھینے لگیں اور اسے خیال آیا کہ ٹو یوڈا اُسے رہا کرتے وقت نئے میں نہیں تھا، ورنہ یہ
بیچارہ تو یہی سمجھا تھا کہ ٹو یوڈا نے نئے کی حصہ نک میں اسے رہا کر دیا ہے۔ لہذا رہا ہونے والا
جس کے حواس خمسہ اپنی جگہ پر ہی تھے اپنی دانست میں ٹو یوڈا کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے

میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بھلا پچھی پنځرے سے اڑانے کے بعد کب واپس آیا ہے۔ اگر تم کسی پرندے کے پنځرے کی کھڑکی کھول کر کہو کہ جاؤ بیٹا اڑ جاؤ لیکن دو گھنٹے بعد واپس آ جانا تو دیکھنے اور سننے والے تمہیں یا تو پاگل بمحض لیں گے یا اس پر یقین کر لیں گے کہ تم بہت زیادہ پی گئے ہو۔ یہی حال اس قیدی کا بھی ہوا۔ یہ سمجھا تھا کہ اب اسے کون پاسکے گا۔ لیکن اسے ٹھیک ساز ہے تو بجے ہیاں پہنچ جانا پڑا۔ جب کئی سویاں اس کے جسم میں پوسٹ ہو پچھی تھیں تو اسے خیال آیا کہ کہیں ٹویڈا ہی کے بھوت نہ ہوں۔ کیونکہ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سویاں آسان سے بری ہوں۔

نادر نے ایک طویل سانس لی لیکن اپنے ذہن کو قابو میں رکھا۔ پھر اس طرح سر کو جبش دی جیسے اسے ٹویڈا کا یہ بچکانہ کھیل بہت پسند آیا ہو۔

”اب آؤ تمہیں دکھاؤں کرو وہ اپنے سرکس کے جانوروں کو کس طرح سدھاتا ہے۔“ وہ اب اسے ایک ایسے کمرے میں لا یا جہاں ایک میز کے علاوہ اور پچھنیں تھا اور اس میز پر ایک ٹیلی ویژن سیٹ بھی موجود تھا۔

اس نے اس کا سوچ آن کر دیا اور اس کی اسکرین روشن ہو گئی۔

”غور سے دیکھنا۔ ٹویڈا اپنے سرکس کے لئے ایک جانور کو ٹریننگ دے رہا ہے۔“ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر نادر کو ایک سیاہ پوش نظر آیا جس کے ہاتھ میں چڑے کا چاکب بھی تھا اور اس کا سارا جسم سیاہ چکر کے ایک البارے میں چھپا ہوا تھا۔ پھر اسیا معلوم ہوا جیسے وہ اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے چاکب کو گردش دے رہا ہو۔ پھر ایک اور آدمی بھی اسکرین پر نظر آیا۔ یہ غالباً چاکب کی زد سے بچنے کیلئے بندروں کی طرح کو درہ تھا۔ ساتھ ہی نادر نے اسکی آواز بھی سنی۔ وہ اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ ”میں انہوں، میرا بابا پ بھی الو تھا اور مجھے ایک گدمی نے جنم دیا تھا۔“

جب بھی اس کی زبان رکتی سیاہ پوش کا چاکب پلتا ہوا اس کے جسم کے کسی حصے پر ضرور پٹ جاتا اور وہ دوسری چوٹ بچانے کے لئے اچھلنا کو دنا شروع کر دیتا اور ساتھ ہی اس کی

بمان ہمیں چلنے تھی۔

نادر کچھ دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا پھر ٹیلی ویژن کا سوچ آف کر دیا گیا۔

”یہ کیا تھا دوست۔“ نادر نے ایسے لمحے میں پوچھا جیسے اس منظر سے بے حد محفوظ ہوا ہو۔

”یہ ٹویڈا کی تفریخ تھی۔“

”کیا وہ سیاہ پوش۔“

”ہاں..... وہ بذات خود ٹویڈا ہے۔ اس کی یہ تفریخ اس کے غلاموں کی تربیت کا طریقہ ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”نه سمجھے ہو گے۔“ نقاب پوش نے لاپرواں سے کہا۔ ”ٹویڈا انہیں پر اسرا رہے لیکن اس کا طریقہ کار سائنسیک ہوتا ہے۔ جس پر وہ کوئی برسار ہاتھا ایک تو گرفتار ہے۔ کچھ دن ٹویڈا اسے قید ہی میں رکھے گا اور پھر وہ بھی آزاد کر دیا جائے گا اور پہلی آزادی پر وہ یہی سمجھے گا کہ ٹویڈا نئے میں تھا۔ بھلا اڑا ہوا پچھی کب واپس آتا ہے۔ وہ ٹویڈا سے دور بھاگنا چاہتا ہے لیکن آسانی بلا میں اسے لگھر کر دوبارہ ٹویڈا کے حضور میں لے آئیں گی۔ ابھی تم ایسے ہی آدمی کو دیکھے چکے ہو۔ جس کے جسم سے سویاں نکالی جا رہی تھیں۔ صرف سویاں ہی نہیں ٹویڈا کی تفریخ کا کسی حد تک تم بھی شکار ہوئے ہو مشر نادر۔“

”مشلا.....“ نادر تلخ لمحے میں بولا۔ ”میرا کائن ڈیل کے آفس سے نکلا جانا..... اور جمع بازار میں بے عزتی کا سامنا کیوں۔“

”یقیناً وہ ٹویڈا ہی کی تفریخ تھی۔“

”آخ رکیوں۔ میں نے اس کا کیا بگڑا تھا۔“

”اس کا تو کچھ نہیں بگڑا تھا۔ مگر اس کے مسلک کا محکمہ اڑانے کی کوشش ضرور کی تھی۔“

مشر نادر بھلا وہ کیسے برداشت کر لیتا کہ اس کی عملداری میں کوئی برا آدمی اچھا بننے کی کوشش کرے۔ جب کہ اچھوں کو برا بنا ہی اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا مشن ہے۔ مگر دیکھو بعد میں

منے پیش ہوا۔ غالباً لوی کا خیال تھا کہ وہ حمید کو الو بنا نے میں کامیاب ہو گئی ہے کیونکہ حمید
ب مادرہ اس کی الگیوں پر ناج رہا تھا۔

ڈریگی نے چیک بک کی کہانی سن کر آپ سے باہر ہو جانے کا مظاہرہ کیا اور کافی دیر تک
رجبابر ستارہ ہا۔ پھر لوی نے اپنی تجویز پیش کی۔

”نبیل قلعی نہیں۔ میں مذاق کے لئے بھی اسے پسند نہیں کروں گا۔“ ڈریگی نے
خشمگوار لمحے میں کہا۔

”پھر یہ تو دیکھو انکل کر اس نے ہم لوگوں کو کیسا ذلیل کیا ہے۔“

”یہ تمہاری غلطی تھی۔ نہیں اب میں مشورہ دوں گا کہ خاموشی اختیار کرو۔ ہاں اگر اب اس
نے تم سے ملنے کی کوشش کی تو شہر کی کسی شاہراہ پر اس کے جوتے لگوادوں گا۔“

”اس سے کیا فائدہ ہوگا انکل۔ میں کہتی ہوں تفریج ہی سہی لیکن اس کے ساتھ کوئی فراؤ
ہونا چاہیے۔ مسٹر ناصر کی ایک تجویز ہے۔ یہ بھی اس گھر سے عاجز آگئے ہیں۔ وہ انکل یہ تو
ان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ خود کتنا بڑا فراؤ ہے۔ یہ اب اس کی ملازamt نہیں کرنا چاہتے۔
میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنی فرم میں انہیں جگہ دوں گی۔“

ڈریگی نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔

کچھ دیر خاموشی ہی پھر لوی نے کہا۔ تجویز یہ ہے کہ چیک بک اڑالی جائے اور مسٹر ناصر
اس سے روئی کے ایک بڑے سودے کا گاند لکھوائیں۔

”ہوم.....!“ ڈریگی حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کو
نیچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”وہ سو دا کس طرح ہو گا جناب۔“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہر طرح ہو گا اور ہو کر رہے گا۔ میں اسے اس کے کمینے پن کا مزہ چکھاؤں گا۔ خواہ مجھے
اپنی جان ہی سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔ وہ مجھے اپنے پالتو کتے سے بھی بدتر بکھتا ہے۔ ہر
وقت گالیاں دیتا رہتا ہے۔ میں اسے مزہ چکھاؤں گا۔“

اُسے تمہاری قدر و قیمت معلوم ہوئی ہے اس لئے اس نے تم سے وہ برتابہ ترک کر دیا تھا اور
تمہیں اس طرح نہیں پکڑ دیا گیا جیسے دوسرے پکڑوانے جاتے ہیں بلکہ تمہیں موقع دیا گیا کرتے
خود ہی یہاں تک چلے آؤ۔“

”تو وہ سلویا پا لگر یو والا معاملہ۔“

”ہاں۔ وہ معاملہ الگ نوعیت کا حامل بھی ہے اور اس سے تم بھی متعلق ہو۔ مگر یہ نہیں کہا
جا سکتا وہ ڈرامہ محض تمہارے ہی لئے کیا گیا تھا۔ تم خواہ مخواہ تھی میں آ کو دے۔ اس لئے سوچا
گیا کہ یہ بھی غیر مناسب نہ ہو گا۔“

”تو کیا میں خود کو ٹو یو ڈا کا قیڈی سمجھوں۔“

”قلعی نہیں۔ تم اگر ابھی واپس جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ ٹو یو ڈا تو تمہیں محض یہ دکھانا چاہتا
ہے کہ تم یہاں سے جانے کے بعد بھی ٹو یو ڈا کے خلاف پچھنہ کر سکو گے۔“

”کیا مجھے پا گل کرنے نے کاٹا ہے کہ ٹو یو ڈا جیسے فکار کی راہ میں آؤں گا۔“ نادر نے پھر
کر کھا۔

”نبیل۔ سلویا یا ڈریگی کی حمایت کا خط ایک دن تمہیں ٹو یو ڈا کی راہ پر ضرور لائے گا۔“
نادر نے قہقهہ لگایا اور بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”سلویا بے حد حسین ہے۔ عورت کے
معاملے میں میں اب بھی برا ہوں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون غلط ہے۔“

دوسر انقاب پوش

پھر معاملات بہت آگے بڑھ گئے اور حمید کو کچھ دیر تک اپنا سر کھانا پڑا۔ لیکن آخر سے
لوی کی اس رائے سے متفق ہونا ہی پڑا کہ اس معاملے سے اس کے چچا کو بھی آگاہ کیا جائے
کیونکہ قاسم نے اس کی بھی تو ہیں کی تھی۔ بات طے ہو گئی اور یہ مسئلہ دوسرے دن ڈریگی کے

”مگر سودا کیا ہو گا۔“

”میں اس سے ایک لاکھ کی روپی وصول پانے کی رسید لکھواوں گا۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“

”آپ چیک کیش کراچی گایا اپنے اکاؤنٹ میں جمع کراچی گا اگر اس نے کسی قسم کی
قانونی کارروائی کی تو ڈبلیوری رسید اس کی گردان کا چندابن جائے گی۔“

”مگر وہ ڈبلیوری رسید دینے ہی کیوں لگا۔ اگر وہ اتنا ہی چالاک ہے۔“

”یہ مجھ پر چھوڑیے۔ اس کے فرشتے بھی دیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کب حماقتیں
کرنے لگتا ہے۔ بس شراب چاہئے..... اور..... خیر میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ ایک کیا میں
چاہوں تو اس سے روزانہ دس لاکھ وصول کر سکتا ہوں۔“

”وصول ہی کرتے ہو گے۔“ ڈیگی نے ترش بجھ میں کہا۔ ”تم بھی مجھے کوئی اچھے آدمی
نہیں معلوم ہوتے۔“

پھر اس نے لوی سے کہا۔ ”تم ان لفויות میں نہ پڑو۔ ان کا لے آدمیوں پر اعتاد کر لینا
بڑی حماقت ہے۔“

”مسٹر ڈریگی۔“ حمید کی سائب کی طرح بھیجا کارا۔ ”تم میری توہین نہیں کر سکتے۔ اگر
تمہاری بھتیجی میری دوست نہ ہوتی تو تمہیں بتاتا کر دیکھو میری رنگت تم سے زیادہ سفید ہے اور تم
میرے مقابلے میں کوئی جبشی معلوم ہوتے ہو۔“

”بدتریز۔“ ڈریگی گھونستاں کر حمید کی طرف بڑھا۔ لیکن لوی ان کے درمیان آگئی۔

”انکل یہ کیا کر رہے ہو۔ ناصر میرا بہترین دوست ہے۔“

ڈریگی پیچھے ہٹ گیا اور یک بیک اس کے چہرے سے شرمدگی ظاہر ہونے لگی۔

”ناصر.....!“ لوی حمید کے بازو پر ہاتھ پھیرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ”انکل دل کے نہ رے
نہیں میں۔ مگر انہیں غصہ بہت بلدا جاتا ہے۔“

”مجھے اپنے اس غیر شریفانہ رویے پر ندامت ہے مسٹر ناصر۔“ ڈریگی بھی بھرائی ہوئی

آوازیں بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے۔“

”آم و چلیں۔“ لوی اسے دروازے کی طرف کھینچ لے گئی اور یہ بھی نہ سننے دیا کہ ڈریگی
کیا کہنا چاہتا ہے۔

وہ اسے پھر اسٹڈی میں لا کر بولی۔ ”میں کہتی ہوں انکل کو الگ ہی رکھا جائے۔ اس
معاملے کو ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔ میں اس سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہوں۔“

”میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔“ حمید نے غصیدے بجھ میں کہا۔

”ارے ڈیگر۔ تم بُر امان گئے۔ انکل نے معافی تو ماگ لی تھی۔“

”پچھے دیر بجھے خاموش رہنے دو۔ میرا امود بہت خراب ہو گیا ہے۔“ حمید منہ پھلا کے
ہوئے ایک کری پر بیٹھ گیا لوی پھر اس پر لد پڑی وہ کری کے بجھے پر بیٹھ گئی تھی اور آہستہ آہستہ
اس کی گردان سہلا رہی تھی۔

پچھے دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ”ایک لاکھ میں کتنی گاٹھیں ہوں گی۔“

”یہ تو انکل ہی سے معلوم ہو سکے گا۔“

”انکل کی بات نہ کرو۔“

”ارے بُس یونہی ان سے ریٹ معلوم کر کے گاٹھوں سے ایک لاکھ کو تکمیل دے دوں گی۔
غایباً تم ایک لاکھ قیمت کی گاٹھوں کی ڈبلیوری پر رسید لکھواو گے۔“

”ہاں۔“

”مگر کس طرح لکھوا لو گے۔“

”نشے کی حالت میں۔ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ نشے میں وہ بچ مج بالکل گدھا ہو جاتا ہے۔“

”ہم پچھے دن اُسے پریشان کریں گے۔“ لوی نہیں پڑی۔ ”پھر تم واپس کر دیں گے۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ حمید بر اسامتہ بناتا کر بولا۔ ”آدمی سے آدمی پر معاملہ کرو۔“

”چلو، جو تم کہو گے۔ میں اپنا حصہ اُسے واپس کر دوں گی۔“

”تمہاری مرضی۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔

لیکن پھر کچھ دور چلنے کے بعد وہ چونک پڑا۔ اُسے ٹویڈا کی آسمانی بلائیں یاد آگئیں۔ دنیا کا مکار تین آدمی، اس نے سوچا اس کے خلاف علاوی طور پر جنگ کرنا حماقت ہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ مکاری ہی اس کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکے۔

اب نادر کے قدم سلویا کے بینگلے کی طرف اٹھ رہے تھے اور وہ اب سلویا اور ڈریگی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر ان کا ٹویڈا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ٹویڈا نے ڈریگی کو سلویا کے ہاتھوں زہر کیوں دلوانا چاہا تھا۔ ان دونوں میں مظلوم کون تھا۔

بینگلے کے قریب پہنچ کر اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا۔ لیکن نزدیک و دور کوئی بھی نہ کھائی دیا۔ کہیں دور گزیاں بالارہ بجا رہا تھا۔ گھنٹوں کی آوازیں سکوت کا سیدھہ چیر رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر چاٹک ہلایا۔ چوکیدار نے جاتے رہو کی ہاٹک لگائی پھر کچھ دیر بعد چاٹک کھل گیا۔ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ اپنی کوٹھری کی طرف چلا آیا۔ کوٹھری کی کنڈی گری ہوئی دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس کی عدم موجودگی میں سلویا آئی ہو۔ وہ اکثر اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی کوٹھری میں آجیا کرتی تھی اور اس طرح وہ روزانہ اپنے ٹکٹے پر نیا غلاف پایا کرتا تھا۔ بستر گوفرش پر ہوتا تھا لیکن بچھا ہوا ملتا اور سر ہانے دوچار تازہ گلب۔

نادر نے دروازے کو دھکا دیا، جو بلکل ہی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا پھر کوٹھری میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔ ٹوٹتا ہوا آگے بڑھا اور تختہ پر رکھ کر ہوئے کیروں میں لیپ کے روشن کرنے کے لئے دیا سلاں اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ فاختا اس کے چہرے پر تارچ کی روشنی پڑی تھی اور کسی نے آہستہ سے کہا ”ریوال کا رخ تمہارے سینے کی طرف ہے۔ اب تم لیپ روشن کر سکتے ہو۔“

”تم کون ہو۔“ نادر نے بھراں ہوئی آواز میں پوچھا۔

”لیپ روشن کرو۔ اگر میں نے پسند کیا تو مجھے فوراً پیچان لو گے۔“

نادر نے بے چوں و چالیپ روشن کر دیا۔ تارچ بجھا دی گئی۔ کیروں میں لیپ کی مدھم

نادر نے کھلی فضا میں پہنچ کر دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور مژکر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسی بھجن سے وہ بھی دو چار نہیں ہوا تھا۔

آخر ٹویڈا کے آدمیوں نے اسے کیوں پکڑا تھا۔ پکڑا ہی تھا تو اس طرح چھوڑ کیوں دیا اور اس کا موقع کیوں دیا کہ وہ اس عمارت کے محل وقوع سے والق ہو جائے۔ مگر یہ وہ عمارت تو ہرگز نہیں تھی جس کی دیوار پر پھیلی ہوئی ہیل کے ذریعے اس نے اندر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ شہر کا ایک جانا پیچانا حصہ تھا اور نادر نے اوھر سے گذرتے وقت اس شاندار عمارت کو بار بار دیکھا تھا۔ اس عمارت میں انسانی ہڈیوں کے بارہ ڈھانچے تھے اور ہر ڈھانچے کے ساتھ ایک تحریری اقرار جرم بھی موجود تھا۔ اس عمارت میں اپسے لوگ بھی تھے جنہیں ان کی مرضی کے خلاف محبوس رکھا گیا تھا۔ پھر....؟ ان لوگوں نے نار کو کسی ایسی عمارت سے کیوں نکل آئے دیا۔ وہ چلتا رہا اور اس کے ذہن میں لا تعداد سوالات چکراتے رہے۔ وہ نہایت آسانی سے پلیس کو اس عمارت کا پتہ بتا سکے گا کیا ٹویڈا اتنا حقیقی ہو سکتا ہے۔ پھر کیا بات تھی۔ اسے وہ آسانی بلائیں یاد آئیں جن کا تذکرہ اس نقاب پوش نے کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ اسے کس طرح صدر کے فٹ پاٹھ پر گرایا گیا تھا۔ کس طرح سر پر چیتیں رسید کی گئی تھیں۔ تو کیا پلیس ایشیش کی طرف رخ کرنے سے اس کے جسم پر بھی باریک باریک سو یوں کی بارش ہوگی۔ یقیناً اس کے ذہن نے جواب دیا۔ ٹویڈا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس نے کسی مضبوطی ہی کی بناء پر اسے اس طرح مروع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہذا اسے فی الحال خاموش ہی رہنا چاہئے۔ ویسے اس نے تھیک کر لیا تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن ٹویڈا سے ضرور نکلے گا۔ خواہ خود ہی فنا ہو جائے۔ تو کیا ٹویڈا اسے بڑائی کے راستے پر زبردستی لے جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ نادر کا خون کھولنے لگا اور اس کے قدم بیساختہ اس سڑک کی طرف مڑ گئے جو اسے پلیس ایشیش نکل لے جاتی۔

روشنی میں ایک نقاب پوش اسے نظر آیا۔ جس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چڑیے کی جیکٹ تھی۔ آدمی قد آور تھا اور مضبوط جسم کا معلوم ہوتا تھا لیکن اب اس کے ہاتھ میں ریو اور نہیں تھا۔ نادر اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟“

”کیا ٹو یوڈا اُس عمارت میں موجود تھا۔“ نقاب پوش نے پوچھا۔

”نہیں۔“ نادر نے غیر ارادی طور پر کہا۔ پھر سنبل کر بولا۔ ”تم کون ہو؟“

”تم اب مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے۔“ نقاب پوش نے سخت لمحہ میں کہا ”صرف میری باتوں کا جواب دیتے رہو۔“

”اچھی بات ہے۔“ نادر نے مسکرا کر اپنے شانوں کو جنبش دی۔ ”اگر تمہارے جسم میں مجھے زیر کرنے کی قوت موجود ہے تو ضرور تم مجھ سے اپنے سوالات کا جواب لے سکو گے۔“

”اوہ.....!“ نقاب پوش ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”دشمنی ٹو گے۔“

لیکن دوسرے ہی لمحے میں نادر نے اس پر چھلانگ لگادی اور پوری قوت سے اس سے نکلا یا لیکن یہ اور بات ہے کہ پلک جمکتے ہی نقاب پوش اسے گرا کر سینے پر سوار ہو گیا ہو۔

”کیوں؟“ نقاب پوش ہنس کر بولا۔ ”اب ملے گا جواب۔“

”یقیناً.....!“ نادر بھی جواباً مسکرا یا۔ ”ملے گا لیکن اس لئے نہیں کہ میں زیر ہو گیا ہوں بلکہ اس لئے کہ میں نے آپ کو بیچاں لیا ہے۔“

نقاب پوش اسے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

نادر نے آہستہ سے کہا۔ ”مجھے بے حد خوشی ہے کہ اب ایک بہت بڑی الجھن سے کسی حد تک نجات مل جائے گی۔“

نقاب پوش نے پھر اپنا سوال دہرا یا۔ ”ٹو یوڈا اوہاں تھا یا نہیں۔“

”حقیقت یہ ہے کہ میں واقع کے ساتھ نہیں کہہ سکتا ویسے مجھے میلی ویژن پر اس کے درشن کرائے گئے تھے۔“

”کیا تم تو گرفتاروں میں سے ہو۔“ نقاب پوش نے پوچھا۔

227
”ذری محجھے دم لینے دیجئے میں پوری کہانی دہرا دوں گا۔“ نادر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

سیکریٹری اور چھر

اس وقت ڈریگی کے چہرے پر ہوانیاں اڑنے لگیں جب قاسم نے یہ کہا کہ ڈیلویوری رسیٹ پر اس کے دستخط جعلی ہیں۔ ڈی ایس پی شی نے چیک کے دستخط سے ڈیلویوری رسیٹ کے دستخط کا موازنہ کر کے کہا۔ ”اوہ، ہو..... یہ تو قطعی جعلی معلوم ہوتے ہیں، ایک بچہ بھی کہہ دے گا۔“ ڈریگی بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا جمید کی ایکم کے مطابق اوسی نے چیک بک قاسم کے کمرے سے اڑالی تھی اور قاسم کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کب کیا ہو گیا وہ تو جب دونوں بیک ڈریگی کی فرم کے اکاؤنٹ میں جمع ہونے کے لئے بینک بھیجے گئے تو ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ قاسم نے چیک بک کی گشداری کی اطلاع بینک کو بھی دے دی تھی اور باقاعدہ طور پر اس کی روپورٹ بھی درج کر دی تھی۔ بینک نے معاملہ پولیس کے پرداز دیا۔

قاسم کو اطلاع ملی کہ ڈریگی ہی نے ان گشداریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ مناٹے میں آ گیا۔ کیونکہ اس کے پراسرار سیکریٹری کا قول کری نشین ہو گیا تھا۔ پھر کوتولی میں قاسم اور ڈریگی کی مذہبیت ہوئی۔ ڈریگی نے ڈیلویوری رسیٹ پیش کی جو اسے قاسم سے ملی تھی اور جمید نے اب سے یقین دلایا تھا کہ کام پکا ہو گیا ہے۔ اب قاسم کی صورت سے بھی یہ ثابت نہ کر سکے گا کہ اس کے ساتھ جعلی ملزماں ہوئی ہے۔

”مجھے یہ چیک اور ڈیلویوری رسیٹ تمہارے سیکریٹری سے ملے تھے۔“ ڈریگی نے جھلان کر کہا۔

قاسم صرف برا سامنہ بنا کر رہ گیا لیکن ڈی ایس پی نے کہا۔ ”کیا چیک اور ڈیلویوری

رسیست ساتھ ہی ملے تھے۔

”اس کے سیکریٹری کو بلوایا جائے۔“ ذریگی غصیل آواز میں بولا۔ ”وہی بتائے گا اگر یہ رسیست جعلی ہے تو پھر میں تو بر باد ہی ہو گیا۔ کیونکہ نہ صرف ایک لاکھ کی روپی خرد برد ہو گئی بلکہ دس ہزار روپے نقد بھی گئے۔“

”کیوں۔“ ذی ایس پی نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”اس سودے کے سلسلے میں سیکریٹری نے دس ہزار کا مطالبہ کیا تھا اور رسیست وہی منظور کرائے تھے جو میں نے دیئے تھے۔ لہذا میں نے اسے دس ہزار نقد دیئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ قابل اعتماد معلوم ہوئے تھے اس لئے رقم وصول ہونے سے قبل ہی سیکریٹری کا مطالبہ پورا کر دیا گیا تھا۔ پھر ایک لاکھ کی روپی گئی اور مجھے اس کی ڈیلپوری رسید بھی ہو گئی۔ جی، ہاں چیک اور ڈیلپوری رسیست ساتھ ہی ملے تھے، چونکہ معاملہ عاصم یکٹا ٹائل فرما کا تھا اس لئے ہم نے کچھ بیان وغیرہ بھی نہیں طلب کیا تھا۔ اگر یہ سب کچھ جعلی ہے تو میری روپی کہاں گئی۔ میں تو کہیں کا نہ رہا۔“

”اور وہ تمہاری شوشو کہاں ہے۔“ قاسم نے پچ کر جلے کئے انداز میں کہا۔ ”جس نے لیں بخوبی والے خط لکھ کر مجھے یہاں بلوایا تھا اور پھر ایک لاکھ روپے اشتنے چاہے تھے۔ ابے اگر بے ایمانی کرو گے تو اسی طرح کیڑے پریں گے۔ تمہاراستیا ناں ہو جائے گا۔“

”آپ کا سیکریٹری کہاں ہے اسے بلوائیے۔“ ایس پی کی نے کہا۔

”اس سالے کو بھی آج منج نکال دیا۔ ارے یہ سالا دشمنوں کا شہر ہے کوئی دوست نہیں نظر آتا۔ کل رات اس بھلتم کمپنی والے نے بھی چونا گنا چاہا تھا بولا کہ فائنس کم پڑ گیا ہے۔ اگر دو لاکھ کہیں سے فوراً نہ ملے تو فلم سالی ڈبے میں چل جائے گی۔“

”آپ پتہ نہیں کیا اوث پانگ ہاں کر رہے ہیں جناب۔۔۔ میں کہہ رہا ہوں کہ اپنے سیکریٹری کو بلوائیے۔“

”نکال دیا۔۔۔ اسے کون برداشت کر سکتا ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“

”بھی ہاں۔ کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”صحیح میں اپنے کمرے میں برداشت کر رہا تھا کہ سالے نے پانچ سے میرے سر پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ البتہ بس میں اٹھ کر اس کی گردن مرزوں نے ہی والا تھا کہ بولا سر پر ملیریا کا چھپر بیٹھا ہوا تھا۔ کاٹ لیتا تو کیا ہوتا۔ میں نے کہا بس سالے نکل جاؤ یہاں سے۔ آپ خود بتائیے تحصیلہ از صاحب۔ اور کپتان صاحب کے سالا اگر ہش کر دیتا ہے بھی چھڑا اڑ جاتا۔ اس کی ایسی تیسی۔۔۔ خداغارت کرنے۔“

”سن رہے ہیں آپ اس فراؤ کی باتیں۔“ ذریگی نے ذی ایس پی سے کہا۔

”وہ اس وقت گرینڈ میں ہو گایا نہیں۔“ ذی ایس پی نے قاسم سے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ میں نے تو الگ کر دیا تھا۔ اگر اس کی جیب میں پیسے ہوں گے تو ضرور ہو گا۔“

”سیکریٹری کی حاضری ضروری ہے اور آپ دونوں اس وقت تک حرast میں رہیں گے جب تک کہ وہ حاضر نہ ہو جائے۔“

”ارے واہ۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”میں کوئی ٹھیکدار ہوں اس سالے کا۔“

”وہ کب سے آپ کے پاس تھا۔“

”تین چار دن سے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”وہی، جو تین چار دن کا ہوتا ہے۔“

”دمتر قاسم آپ اوث پانگ بتیں کر کے اپنے حق میں کافی ہو رہے ہیں۔“

”دبل اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔“ قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”یہاں لوگ مجھے لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پولیس الماتھ ہجھی پر دھونس جاتی ہے۔ میں ابھی وزیر اعظم کو فون کرتا ہوں۔ کیا سمجھا ہے آپ لوگوں نے۔“

ذی ایس پی نے ایک طویل بائنس لی اور ذریگی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ان لوگوں نے مجھے لوت لیا۔“ ذریگی بڑو بڑا۔ ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور ذی

الیں پیشی نے رسیور اٹھا لیا۔

”بیلو۔ میں ذی الیں پیشی پلیز۔ ارے نہیں۔“ ذی الیں پی کے چہرے سے حیرت ظاہر ہونے لگی۔ وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سننا رہا۔ لیکن کبھی وہ قسم کو دیکھنے لگتا اور کبھی ذریگی کو۔

پھر اس نے رسیور رکھ کر کہا۔ ”جب تک کہ سیکریٹری نہ مل جائے آپ پ دونوں حراس میں رہیں گے۔“

”یہ زیادتی ہے۔ میں ہی اٹ گیا ہوں۔ اور....!“

”مسڑوگ پاگرگیو۔ میں مجبور ہوں۔ اس کے علاوہ اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں ہے۔“ ذی الیں پی نے کہہ کر سب انپکٹر کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں لے جائے۔



نادر نے جیسے ہی چانک میں قدم رکھا سلویا پورچ سے اس کی طرف دوڑی نادر جہاں تھا وہیں رک گیا۔ سلویا کے چہرے پر ہوایاں اڑ رہی تھیں۔ وہ تریب آ کر ہاپتی ہوئی بوی۔

”تم نے سادا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آؤ چلو شائد تمہیں نہیں معلوم۔ میں بتاؤں گی۔“

اس نے نادر کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے پورچ کی طرف چل پڑی۔ ساتھ ہی وہ جلدی جلدی کہتی جا رہی تھی۔ ”میں جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کے ہھڑیاں لگیں گی۔ کوئی بھی بڑا آدمی زیادہ دنوں تک نہیں پھل پھول سکتا۔ اس نے کسی سے ایک لاکھ روپے کا فراڈ کیا ہے۔“

”مجھے علم ہے مادام۔ میں شاید آپ سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔“ نادر نے کہا وہ ذرائع روم میں پہنچ چکے تھے۔ سلویا ایک صوفے میں گر کر ہاپنے لگی۔ نادر بدستور کھڑا اس کی طرف ترم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سلویا کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ

ہت روئی ہو۔

”مگر مادام۔“ نادر نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ اس ناخبار کے لئے روئی ہیں۔ جس کے تعلق اب میری معلومات کا ذخیرہ یادداشت کے لئے وباں بن گیا ہے۔“

”میں اپنے لئے روئی تھی۔ ذیٹی مر گے۔“ اس نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ ”میرے خدا۔ ایسی ٹریجٹی شاید تمہیں کہانیوں میں بھی نہ ملے۔ وہ مر گئے ہیں لیکن لاوارتوں کی طرح بن کر دیئے جائیں گے۔ میں ان کے جنازے میں بھی شرکت نہیں کر سکوں گی۔ کیسے کہ سکتی ہوں میں نے ہی انہیں پویں کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ وہ میرا پر اس اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر میں اب کیسے کہہ سکتی ہوں کہ میرے باپ تھے۔ ان کی الاش ندفین کے لئے مجھے دی جائے۔ پچھلی رات ان کی حالت بہت خراب تھی۔ انہوں نے ایک آفیسر سے استدعا کی کہ انہیں مجھ سے ملا دیا جائے۔ وہ مجھ سے معافی نامگلما چاہتے ہیں۔ انہوں نے اسے میرا فون نمبر بھی بتا دیا تھا۔ آفیسر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں ان سے ملتا پسند کروں گی، میں بھلا کیسے انکار کر سکتی تھی۔ چلن گئی۔ ذیٹی بہت زیادہ بیار تھے اور ان کا سینہ کسی لوہار کی دھوکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ہم دونوں اس جگہ تھا تھے۔ ذیٹی نے مجھے وہ کہانی سنائی جس کی بناء پر ذریگی انہیں بلیک میل کرتا رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جوانی میں وہ بہت زیادہ دولت مدد تھے اور ذریگی ان کے دوستوں میں سے تھا۔ ایک بڑی عورت سے دونوں کی دوستی تھی لیکن ذریگی نہیں جانتا تھا کہ ذیٹی بھی اس عورت کے دوست ہیں۔ ذیٹی بھی عورتوں کے چکر میں رہتے تھے لیکن بہت محاط آدمی تھے۔ اپنے گناہوں کو مظہر عام پر لانا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہذا شاید ہی کسی کو علم رہا ہو کہ ذیٹی بھی اس عورت کے دوستوں میں سے ہیں۔ اچھا ذیٹی کو بھی اس وقت تک علم نہیں تھا کہ ذریگی بھی اس عورت سے تعلقات رکھتا ہے۔ چانک ایک رات اس عورت نے ذیٹی کو فون کیا کہ وہ فوراً اس کے گھر پر پہنچ جائیں۔ ایک ضروری کام ہے۔ کال بارہ بجے رات کو آئی تھی۔ ذیٹی فوراً روانہ ہو گئے۔ خلاف معمول انہیں صدر دروازہ کھلا ہوا ملا۔ وہ اندر چلے گئے۔ گھر ویران پڑا تھا لیکن اس عورت کی خواب گاہ میں روشنی تھی۔ ذیٹی

سید ہے وہیں چلے گئے۔ لیکن انہوں نے بستر پر اس عورت کی لاش دیکھی۔ اس کے سینے سے خون امل رہا تھا اور قریب ہی فرش پر پستول پڑا تھا۔ ڈیٹی ہبرا گئے۔ عورت مر چکی تھی اور وہ اس لاش کے قریب تھا۔ انہوں نے سوچا کہ انہیں اٹھ پاؤں واپس جانا چاہئے لیکن اس سے پہلے ہی ڈریگی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے لاش سے زیادہ وہاں ڈیٹی کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی اور اس نے ان پر اس عورت کے قتل کا الزام لگایا۔ پھر فوراً ہی ڈیٹی سے اپنی اس غلط فہمی کی معافی بھی مانگ لی اور پھر ان دونوں ہی نے مل کر خیالی گھوڑے دوزانے شروع کئے کہ اسے کس نے قتل کیا ہوا۔ ڈیٹی دیر بعد اس نے ڈریگی سے وہ پستول اٹھانے کو کہا جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ڈیٹی نے بے خیالی میں پستول اٹھایا لیکن پھر ڈریگی جلدی سے بولا۔ ارے نہیں اسے دیں پڑا رہنے والا راب جلدی سے بھاگو۔ ورنہ کہیں ہم ہی کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دوسرے دن اس قتل کے سلسلے میں تیش شروع ہو گئی لیکن دونوں ہی نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ڈیٹی نے تو کہا تھا کہ چل کر پولیس کو اطلاع دے دیں ظاہر ہے کہ اسے ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس پر ڈریگی نے کہا کہ تم پولیس والوں کو نہیں جانتے۔ کوئی نہ ملے گا تو وہ ہم ہی میں سے کسی ایک کو پھانسی دلوادیں گے۔ ڈیٹی سہم گئے اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ تیش ہوتی لیکن چہ ماںک قاتل کا سراغ نہیں سکا۔ چونکہ ڈریگی اس سے علایہ ملتا جلتا تھا اس سے بھی پوچھ گئے ہوئی تھی۔ لیکن اس پر قتل کا شہر نہیں کیا جاسکا کیونکہ وہ قتل سے تین دن پہلے بے چار دن بعد ٹک قائم آباد کے ایک ہسپتال میں بیمار پڑا رہا تھا۔

”اوہ۔“ نادر نے ایک طویل سانس لی اور سلویا کہتی رہی۔ ”غالباً اس نے پہلے ہی سے اس کا انتظام کر لیا تھا۔ لہذا پولیس قائم آباد کے اس ہسپتال سے تصدیق کرنے کے بعد اس کی طرف سے مطمئن ہوئی تھی۔ ڈیٹی سے پوچھ گئی بھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ کوئی جانتا ہی نہیں تھا کہ مقتول سے ان کے بھی تعلقات تھے۔ قتل والی رات کو ڈریگی نے انہیں جائے واردات ہی پر دیکھا تھا لیکن اس نے پولیس سے اس کا تذکرہ نہیں کیا مگر چھ ماہ بعد جب معاملہ بالکل ختم شد پڑچکا تھا اور اس سلسلے میں پولیس کی سرگرمیاں بھی ختم ہو چکی تھیں ڈریگی نے ڈیٹی سے کہا کہ وہ

ایک آدمی کو پھانسی دلو سکتا ہے۔ اس کا صرف ایک معمولی سا اشارہ کافی ہو گا۔ ڈیٹی نے اس کی بکواس پر دھیان نہیں دیا۔ لیکن اس نے انہیں آگاہ کیا کہ پولیس کو پستول کے دستے پر ڈیٹی کی انگلیوں کے نشانات مل تھے اگر وہ صرف اشارہ تھی کر دے تو ڈیٹی فوراً گرفتار کر لے جائیں گے کیونکہ ڈنگر پرنٹ ڈسپارٹمنٹ میں انگلیوں کے نشانات محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ ڈیٹی پستول اٹھانے والا معاملہ بھول گئے تھے۔ اس نے انہیں یاد دلایا اور ڈیٹی کی چکرا گئے۔ واقعی ایسے حالات میں ان پر قتل کا الزام عامد ہو سکتا تھا۔ بہر حال ڈریگی نے انہیں یقین دلایا کہ انہیں پھانسی ہو سکتی ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنی بینائی نہیں ثابت کر سکیں گے اور بس پھر وہیں سے ڈریگی نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ ان کی جاہی کا باعث ڈریگی ہی بنا تھا۔ اس نے ان کی زندگی میں مایوسیاں بھر دیں اور وہ خود بھی بہت بُرے بن گئے۔ جب ان کی دولت ختم ہو گئی تو ڈریگی نے مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ آہ۔ نادر خدا کے لئے مجھے تباہ کہ مجھ سے بھی زیادہ مظلوم تمہیں آج تک کوئی ملا ہے۔“

”نہیں مادام۔“ نادر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”لیکن آپ کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ظالموں کے سروں پر بھی کوئی موجود ہے۔ ڈریگی اپنی تمام تر ذلاتوں سمیت عنقریب قاتا ہو جائے گا۔ گردن تک دل میں غرق ہو چکا ہے اور اب اس کے ایک نہیں درجنوں جرائم پولیس کی نظر میں آگئے ہیں۔ لوی پاگریوں کی بھیجی نہیں بلکہ داشتہ ہے۔ اس کے ذریعے وہ مالدار لوگوں کو پھانس کر ان سے بڑی بڑی قسمیں اٹھاتا تھا۔ اکثر کو اس نے بلیک میل کیا ہے۔ یہی لوی بلیک میلنگ کا بھی واحد ذریعہ تھی۔ یہ مالدار لوگوں سے قریب ہو کر ان کی کمزوریوں کو معلوم کرتی تھی اور انہیں کمزوریوں کے لئے وہ بلیک میل کئے جاتے تھے۔ اس دوران میں اس نے ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار سینئٹھ عاصم کے لاؤ کے کوچانسے کی کوشش کی تھی۔ اس سے کم از کم تین لاکھ روپے اٹھنے کی اسکیم تھی۔ لیکن یہ لوگ خود ہی پھنس گئے۔ لوی نے اس سے قلمی دوستی کی تھی اور اسے یہاں بلا یا تھا۔ وہ اس سے ایک لاکھ روپیہ وصول کرنے کے چکر میں تھی۔ دوسری طرف ڈریگی نے ایک فلم کمپنی کا اشتہن بنا یا تھا۔ اس کا مقصد بھی بھی تھا کہ سینئٹھ عاصم کے

لڑکے کو پہنانسا جائے۔ وہ دراصل عورتوں کا شائق ہے۔ فلم کمپنی کے چکر میں بھی اس کا پھنس جانا یقینی تھا۔ مگر اس کے بعض دوستوں نے ڈریگی کی اسکیوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ آدمی بھی گرفتار کر لیا گیا ہے، جو خود کو فلم ڈائریکٹر ظاہر کر کے اس سے دولا کہ ایشٹھن کی فکر میں تھا۔

”اب مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں۔“

”اوہ تو کیا آپ ڈریگی کے لئے بھی مغموم ہیں۔“

”ذرہ بر انہیں۔ میں تو اپنے مظلوم باپ کے متعلق سوچ رہی ہوں۔“

”دیکھئے مادام۔ ابھی آپ کو کئی الجھنوں سے دوچار ہونا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دیر بعد یہاں بھی پولیس پہنچ جائے گی۔ شاہزاد عمارت کی بھی تلاشی لی جائے آپ سے بھی پوچھ گجھ ہوگی۔ ڈریگی کے ہاتھ بہت آلوہ تھے۔ کائن ڈیل نام کی فرم بھی فراہ تھی۔ روئی کا کاروبار حقیقتاً برائے نام تھا۔ اس سے اتنی آمدی نہیں ہوتی تھی کہ فرم کے اخراجات ہی پورے ہو سکتے۔ حقیقتاً روئی کی آڑ میں مشیات کی غیر قانونی تجارت ہوتی تھی۔ ڈریگی خود کو اس کا غیر ظاہر کرتا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہی اس کاروبار کا مالک تھا۔ شرکا فرضی تھے۔ پولیس نے جیرت انگیز طور پر تیزی دکھائی ہے۔ بہت جلد ڈریگی کے بُنْس کی تہہ تک پہنچ گئی اور میں تو خود اس وقت یہ کہنے آیا تھا کہ مادام میں کچھ دنوں کے لئے آپ سے اجازت طلب کروں۔“

”دیکھی اجازت۔“

”کچھ دن۔ میں اس بنگلے سے الگ رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان حالات میں یہاں میری موجودگی مناسب نہیں ہے۔ میں بھی تو آخر ایک بدنام ہی آدمی ہوں۔ پولیس مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گی۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقایوں تکمیل کی طرح آپ سے ملتا رہوں گا۔ اب میں دراصل اس آدمی کی راہ پر ہوں جس کی وجہ سے آپ کے والد کو حوالات میں جان دینی پڑی تھی۔ جس نے ڈریگی کو ڈرانے کے لئے آپ دونوں کو استعمال کرنا چاہا تھا۔“

”جاوے۔ سلویا ٹھنڈی سانس لے کر ہوں۔“ لیکن یہندہ بھولنا کہ اب میں بالکل بے سہارا ہوں۔“

”میں آخری سانس لکھ آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا مادام۔ آپ دیکھ ہی لیں

گی۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔“ سلویا کچھ نہ بولی۔

بُری جگہ

جمید قاسم کے سلسلے میں اپنا پورا کام کر چکا تھا۔ لیکن قاسم پر یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ جمید ہے چونکہ ڈریگی کے پکڑے جانے سے پہلے ہی وہ قاسم کا ساتھ چھوڑ دیتا چاہتا تھا۔ اس لئے چلتے چلاتے اس نے قاسم کی کھوپڑی پر ایک ہاتھ جھاڑ کر اسے ملیریا کے مچھر کی بشارت دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قاسم اس حرکت پر اسے کچا چلانے کی کوشش کرے گا۔ لہذا اس نے اس طرح معاملات کو کچھ اور زیادہ الجھادیا تھا۔

اور اب وہ نصیر آباد کے ایک دوسرے ہوٹل میں فروش تھا۔ میک اپ میں بھی اس نے کچھ ایسی تبدیلیاں کر لی تھیں کہ قاسم کے ملیریا کی حیثیت سے نہیں پہچانا جاسکتا تھا۔ مگر کیا اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔

کام ختم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ فریدی بھی نصیر آباد ہی میں کہیں مقیم تھا اور جمید نے اب تک جو کچھ کیا تھا فریدی ہی کی اسکی مطابق کیا تھا۔ مگر اس میں وہ چپت شامل نہیں تھی جو اس نے قاسم کو لیٹریا کے مچھر کے دستبرد سے بچانے کے لئے اس کی کھوپڑی پر رسید کی تھی۔ پھر وہ جمید ہی نہیں۔ کیا بالکل ہی لکیر کا فقیر ہو جاتا۔

ویسے اسے فون پر فریدی کی طرف سے ہدایات ملتی رہتی تھیں اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ فریدی کا قیام کہاں ہے۔ اس نے اسے ہوٹل اور اپنے نام کی تبدیلی کی اطلاع دے دی تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ گرینڈ سے کمک جانے کا مشورہ بھی فریدی ہی نے دیا تھا اور اس کی غرض و غایت بھی سمجھا دی تھی۔ اس نے اسے میک اپ میں تبدیلی کے ساتھ اتنا لیا نہیں قیام کرنے کی رائے دی تھی۔

کے سامنے رکھا اور غالباً اندر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لیکن حمید کو اسی عمارت کی ایک کھڑکی میں ایک دلش چہرہ دکھائی دیا اور یہ چہرہ سلویا کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوا سکتا تھا۔



نادر اس عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گیا جہاں پہنچ دن پہلے اس نے ٹو یو ڈا کے عجائب دیکھے تھے۔ اسے عمارت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ آج آزمائشی طور پر خود ہی اس عمارت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک کھڑکی پر پڑی۔ وہ نائٹ میں آگیا۔ کھڑکی روشن تھی اور وہ اندر ہیرے میں کھڑا تھا۔ اس نے ہوسکتا ہے کہ سلویا کی نظر اس پر نہ پڑی ہو لیکن نادر نے اسے پہنچی ہی نظر میں بیچان لیا تھا اور اسے حیرت تھی کہ وہ دہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار بھی نہیں تھے کہ نادر ٹو یو ڈا کی زبردستیوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

وہ آج صحیح سلویا کو مختار رہنے کی ہدایت دے کر بیٹل سے چلا آیا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اب وہ بیٹل سے دور ہی دور رہے گا۔ اس کی وجہ بھی اس نے سلویا کو بتا دی تھی..... تو کیا سلویا اب تک اسے دھوکہ دیتی رہی تھی۔ مگر اس نے تو اس کے اس بیان کی تصدیق بھی کر لی تھی کہ اس کا باپ بیتل میں فوت ہو گیا ہے۔ پھر آخر سلویا یہاں کیسے..... نادر وہیں کھڑا رہا اور اس کی الجھن بڑھتی رہی۔ ساتھ ہی اسے سلویا پر بے حد غصہ بھی تھا۔ وہ اب کھڑکی سے ہٹ چکی تھی۔ کھڑکی بند ہو چکی تھی مگر اس کے دھنڈے شیشوں پر اس کا سایہ سانظر آ رہا تھا۔

نادر کا غصہ بڑھتا رہا اور اس نے تہی کر لیا کہ خواہ کچھ ہو جائے اس عورت کا گلا خود گھونٹ دے گا۔ وہ ٹو یو ڈا کی ساتھی تھی اور نادر کو دھوکہ دے کر ذریگی کے گرد کسی قسم کا جال بنتی رہی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بوزھا جسے اس نے اپنا باپ ظاہر کیا تھا ٹو یو ڈا ہی کا کوئی مظلوم شکار رہا ہو اور

ہوئی اٹالیانو کے رجڑ میں اس نے اپنا نام ساجد لکھوایا تھا۔

دن ڈوبتے ہی فریدی کی کال آئی۔ اس نے اسے ریخت پارک پہنچنے کی ہدایات دی تھی اور کہا تھا کہ وہ ٹھیک آٹھ بجے کینے و کٹو ریا کے صدر دروازے پر نظر رکھ۔ وہاں سے اسے رام گذھ کے نادر کا تعاقب کرنا ہے۔

حید اب کچھ اکتا سا گیا تھا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی خواہش نہیں پوری ہوئی تھی۔ یعنی جس کام کے لئے فسیل آباد آیا تھا وہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ درمیان میں قاسم کا قصہ تکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک قطعی غیر متعلق کام تھا۔ پھر بھی اسے خوش تھی کہ اس نے قاسم کو بال بال بچالیا۔ ورنہ وہ کم از کم تین لاکھ کے دھنکے میں ضرور ہی آ جاتا۔

قاسم کو وقتی طور پر حرast میں لیا گیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا گیا تھا۔ ویسے ذریگی اور اس کے دو ساتھی اب بھی حرast میں تھے جن پر فضیلت کی غیر قانونی تجارت کرنے یا کرنے والوں کا ہاتھ بٹانے کا الام تھا۔ ذریگی پر کئی چارج لگائے گئے تھے۔ فی الحال عدالت سے بھی اس کی صفات ہو جانے کے امکانات نہیں تھے۔

حید کو جب یہ معلوم ہوا کہ لوئی ذریگی کی تھیجی نہیں بلکہ داشت تھی تو نہ جانے کیوں اسے بے حد افسوس ہوا۔ اس کی وجہ بھج میں نہ آ سکی۔ آتی بھی کیسے۔ بہت کم لوگ اپنے ذہن کی گرہیں ٹول پاتے ہیں۔

تقریباً آٹھ بجے وہ کینے و کٹو ریے کے صدر دروازے کی مگرانی کر رہا تھا۔ اس نے نادر کو وہاں سے برآمد ہوتے دیکھا، جو سیاہ سوت میں ملبوس تھا اور کوئی بے حد شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ تعاقب حید کے لئے بے حد ناخوٹگوار ثابت ہوتا تھا۔ بشرطیکہ معاملہ کسی لڑکی کا نہ ہو۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار فریدی کی ہدایت پر نادر کا تعاقب کر چکا تھا اور آخر میں اسے سلویا کی دلش خصیت نظر آئی تھی آج بھی وہ اسی توقع پر اس کے پیچھے چل پڑا تھا کہ آج بھی سلویا نظر آئے گی اور آج وہ اس تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

لیکن آج نادر اس بیٹل کی طرف نہیں گیا جہاں اس کا قیام تھا۔ وہ ایک دوسری عمارت

اے کسی مقصد کے لئے اس طرح استعمال کیا گیا ہو کہ وہ پولیس کے قبضے میں آجائے کہ باوجود بھی زبان نہ کھول سکا ہو۔ نادر کی مٹھیاں بھیجن گئیں اور سارے جسم میں گرم گرم لہریں سی دوڑتی محسوس ہوئے۔ اس نے آگے بڑھ کر کال مل کاٹن دبایا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ بے دھرک اندر داخل ہو گیا۔

دروازہ کھونے والا بھی اس کے اس طرح داخل ہو جانے پر غیر مطمئن نہیں تھا۔ نادر نے اُسے فوراً ہمیں محسوس کر لیا۔ لیکن کسی قسم کی کمزوری ظاہر کئے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ دفتار اُس آدمی نے دروازہ بند کر کے اُسے مخاطب کیا۔

”اس طرح بھکتے پھریں گے۔ مجھے بتائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔“
نادر کیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے ٹویڈا کے پاس پہنچا دو۔“
”ٹویڈا۔“ وہ آدمی تحریرہ گیا۔ ”یہ ٹویڈا کون ہے۔ محترم آپ نے میں تو ہمیں ہیں۔“
دفتار نادر سنجھل گیا۔ اس سے غلطی ہوئی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اس عمارت کے مالک سے ملتا چاہتا ہوں۔“

”اوہ..... تو اس طرف تشریف لائیے۔ مالک نہیں بلکہ مالکہ کہتے۔ کیا آپ پہلی بار تشریف لائے ہیں۔“

”نہیں دوسرا بار۔ مگر مجھے پہلے نہیں بتایا گیا تھا کہ یہاں کوئی مالکہ بھی ہے۔“
”تب پھر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور آپ غلطی سے کہیں اور چل آئے ہیں۔“
”کیا یہ وہی عمارت نہیں ہے جہاں میں نے بڑیوں کے بارہ ڈھانچے دیکھے تھے۔“
”آہ۔ یقیناً آپ تشریف لائے ہوں گے۔ آپ کوئی فلسفی ادیب معلوم ہوتے ہیں۔
 بلاشبہ بارہ ایسی لاکیوں کو بڑیوں کے ڈھانچے کہنا ایک نادر خیال ہے جو عصمت فروشی کرتی ہیں۔ آپ جیسے نہ جانے کتنے ادیب اور شاعر یہاں آتے ہیں۔ جسموں کا سودا ہی کرنے آتے ہیں لیکن پھر شراب پی کر بیکتے ہیں اور اسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ بڑیوں کے ڈھانچے۔“

معاشرے کا ناسور۔ سارچ کا گندابچوڑا اور نہ جانے کیا کیا اور پھر آپ جانتے ہیں اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ وہ سارے عظیم ادباء و شعراء وہ سارا زہر خود پی کر پوری سوسائٹی کو چالیتے ہیں۔ چلے جتاب..... آپ شاید پہلی ہی بار تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اس عمارت کے متعلق دوسروں سے کچھ سن لیا ہو گا چلے مزدوار ز آپ سے مل کر بے حد خوش ہوں گی۔ وہ اپنی چھت کے نیچے تشریف تعلیم یافت اور اعلیٰ خاندان کے افراد کو دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ چلے جتاب۔“

نادر نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گیا۔ وہ اس آدمی کے ساتھ باسیں جانب والی راہداری میں مزدگی تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک معمر یورپیشن عورت نے اس کا استقبال کیا۔

نادر الجھن میں تھا کہ اب کس چکر میں آپ چھنسا ہے۔

”تشریف رکھئے جتاب۔“ اس عورت نے کہا۔ ”مجھے مزدوار ز کہتے ہیں۔ آپ شاید پہلی بار یہاں تشریف لائے ہیں۔“

”نہیں نہیں۔ پہلی بار تو نہیں۔“ نادر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”لیکن شاید پہلے کوئی اور لوگ رہتے تھے۔“

”یہاں میں ہی رہتی ہوں محترم اور یہ مزدوار ز کا بورڈگ کہلاتا ہے۔ اگر آپ دن بھر کی تھکن اور الجھنوں اکتائے ہوئے ہوں تو یہاں آرام کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائش معمول معاوضہ پر مہیا کی جاتی ہیں۔“

”آپ کب سے یہاں ہیں۔“

”واز کا بورڈگ تقریباً پانچ سال سے قائم ہے جتاب۔“

”اوہ..... اچھا..... ہاں میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں غلطی سے یہاں آگیا ہوں۔ شاید تین سال بعد صیر آباد آیا ہوں۔“

عورت نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دو یا تین منٹ بعد ہمیں چھلکیاں کمرے میں

پنہیں کیا کہہ رہے ہو۔

”میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے پسند آگئی، ہو اور مجھے یہاں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ رات ببر کرنے پر آمدہ کروں۔“

”نادراب تم بھی مجھے بے سہارا سمجھ کر۔“ سلویا نے دونوں ہاتھوں سے چجزہ چھپالیا۔

”یہاں تمہاری موجودگی کا مطلب کیا ہے۔“ نادر نے گرج کر پوچھا اور وہ یک یک اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں جیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے۔ اس نے دھیرے سے کہا۔ ”مجھے جیرت ہے کہ تم مجھ سے یہ پوچھ رہے ہو۔“

”کیوں..... پھر کس سے پوچھوں۔ کیا میں تمہیں لا یا تھا۔“

”نادر صاف صاف کہو۔“ وہ یک یک جھلا گئی۔ ”کیا ہے تمہارے دل میں۔ تم نہیں لائے تو میں خود آئی ہوں۔ کیا تم نے مجھے یہاں نہیں بلوایا تھا۔“

”میں نے۔“ نادر نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔

”میں نہیں جانتی۔“ وہ مُراسامنہ بنا کر بولی۔ ”تمہارے جانے کے آدھے گھٹتے بعد ایک بوڑھی عورت وہاں پہنچا تھی اور مجھے بتایا تھا کہ میں خطرے میں ہوں۔ لہذا نادر مجھے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دینا چاہتا ہے۔ نادر کا نام سن کر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔“

”تم غلط بیانی سے تو کام نہیں لے رہیں۔“

”نادر خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو۔ درنہ میں اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ لوں گی۔“ نادر خاموش ہو کر کچھ سوپنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ وہ مُور کا کچھ مجھے پاگل ہو جانے پر مجبور کر دے گا۔“

”کون؟“

”کوئی نہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ فیر میں اسے دیکھوں گا۔“

”تم اسے نہیں دیکھ سکو گے۔“ دروازے سے آواز آئی۔ نادر چوک کر مڑا۔ ایک نقاب میں

گھس آئی۔ یہ سب جوان اور دلکش تھیں ان میں پوری شین بھی تھیں اور مشرقی بھی۔

”ان میں سے کسی کو پسند کر لجھے۔“ بوڑھی نے کہا۔

”ان میں سے تو کوئی بھی پسند نہیں آئی۔“ نادر نے مسکرا کر کہا۔

”میرے پاس فی الحال بارہ لاکیاں ہیں ان میں سے چھ اس وقت تک انگجھ ہو چکی ہیں۔ آہا..... تھہرے یے..... ایک تیرھوںی بھی ہے۔ اسے بلواتی ہوں یا آپ خود ہی اُس رہبہاری کے آخری کمرے میں چلے جائے۔ وہ وہیں ہو گی۔ آج ہی آئی ہے۔ ہو سکتا ہے ابھی آسانی سے راہ پر نہ آئے۔ مگر میں یہ کام آپ کی لیاقت پر چھوڑتی ہوں۔“

نادر نے سوچا کہیں وہ تیرھوںی عورت سلویا ہی نہ ہو۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ میں دیکھے لیتا ہوں اگر وہ بھی معیار کے مطابق نہ ہوئی تو میں پھر انہیں میں سے کسی کو منتخب کروں گا۔“

”بہتر ہے تشریف لے جائیے جتاب۔“

”نادر اٹھ کر رہبہاری میں آ گیا۔ وہ لاکیاں اس طرح بربادانے لگی تھیں جیسے انہیں نادر کے رویے سے تکلیف پہنچی ہو۔ نادر رہبہاری کے سرے پر رک گیا۔ آخری کمرہ روشن تھا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ نادر نے آہستہ سے دستک دی۔ دروازہ کھل گیا اور سلویا ہی نے اسے کھولا تھا۔

”اوہ..... نادر لکنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ اس نے شکایت آمیز لمحے میں کہا۔ لیکن نادر بڑی حرارت سے اسے ایک طرف دھکا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

”ہاں..... کیا قیمت ہے تمہاری۔“ وہ مُراسامنہ بنا کر بولا۔ ”یہ میری شرافت کے ناتبوت میں آخری کیل تھی۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم۔“ سلویا نے جیرت سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھی۔“

”مجھے اب زیادہ یقوف نہ ہناو۔“

”نادر..... خدا کے لئے۔“ وہ بھرا ہی آواز میں بولی۔ ”میں بے حد پریشان ہوں۔ تم

تعاتب کرنے کو کہا تھا۔ وضاحت نہیں کی تھی کہ اگر وہ کسی عمارت میں داخل ہو تو حمید کو کیا کرنا ہوگا۔ بس وہ تعاقب کرتا ہوا عمارت ہن میں داخل ہو گیا اور اب نادر بھائی میں جائے۔ وہ بھی کسی کمرے میں چین کی بنی سی بجارت ہو گا۔

”میں مستقل طور پر ایک کرہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے مزدارز سے کہا۔ ”ایک مقامی کالج کا طالب علم ہوں۔ ہائل میں مجھے ذبل بینڈ والا کرہ ملتا ہا جو مجھے قسطی پسند نہیں۔

مزدارز کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید فائز کی آواز سن کر اچھل پڑا اور ساتھ ہی اس نے کسی کی چیز بھی سنی۔ مزدارز بھی بوكھلا کر انھی اور لیکیاں چینے لگیں۔

”خاموش رہو۔“ مزدارز نے انہیں ڈانتا۔ اتنی دیر میں حمید دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اُسے راہداری کے سرے پر نادر نظر آیا جو باسیں ہاتھ سے ایک کرے کا دروازہ بند کر رہا تھا۔

دہنے ہاتھ میں ریو اور لئے ہوئے تھا۔ اس کے قریب ہی فرش پر ایک آدمی پڑا ہوا نظر آیا۔ حمید پر نظر پڑتے ہی نادر نے اس پر بھی ایک فائز جھوک دیا۔ حمید بال بال بچا۔ ورنہ اس کی کھوپڑی بھی صاف ہو گئی تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

”کون ہے کیا بات ہے۔“ مزدارز نے کپکاٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”ایک آدمی فائز کر رہا ہے۔“ حمید نے دروازے کی پہنچی چڑھاتے ہوئے کہا۔

”اس نے ایک آدمی کو ختم بھی کر دیا ہے۔“

”ارے۔“ مزدارز کے لمحے میں حیرت تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”کیا وہ سیاہ سوت میں تھا۔ راہداری کے سرے پر۔“

”ہاں وہی تھا۔ کیا وہ پاگل ہو گیا ہے۔“

مزدارز کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کوئی دروازہ پیٹنے لگ۔ ساتھ ہی حمید نے نادر کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا۔ ”دروازہ کھولو۔“ میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سو روکی پیچو۔۔۔ مجھے بتاؤ کہ وہ مردود نیوڈا کہا ہے۔ ورنہ میں اس عمارت میں آگ لگا دوں گا اور تم سب خاک کا ڈھیر ہو جاؤ گے۔

پوش دروازے میں کھڑا اسے گھوڑا رہا تھا۔ نادر کے دنوں ہاتھ کوٹ کی جیسوں میں تھے۔ اچانک اس کی داہنی جیب سے ایک شعلہ نکلا اور غاب پوش چین مار کر راہداری میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ جیب کے سوراخ سے ریو اور لگی ہال جھانک رہی تھی۔

”یہ تم نے کیا کیا۔“ سلویا کپکاٹی ہوئی آواز میں چیتی۔

”اس عمارت میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم کرہ اندر سے بند کرلو۔ کسی حال میں بھی نہ کھولنا۔۔۔ چلو جلدی کرو۔“ نادر نے کہا اور باہر نکل گیا۔ اس نے خود ہی کھینچ کر دروازہ بند کیا تھا اور پھر شاید سلویا نے اندر سے پہنچی چڑھا دی۔

مسنر وارز

حمدی فائز کی آواز سن کر اس عمارت میں نہیں داخل ہوا بلکہ اس نے سڑک پر ہی اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں اور اسے بھی یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ مزدارز کا بورڈنگ ہاؤس ہے اور وہاں بڑی خوبصورت لڑکیاں پائی جاتی ہیں۔ مردوں کا قیام بھی رہتا ہے۔ اکثر طلباں کالج کے ہائل چھوڑ کر بھیں چلتے ہیں۔ لیکن صرف مالدار طلباء کیونکہ یہاں کے اخراجات کا بارعام آدمی کا تصویر بھی نہیں اٹھا سکتا۔

حمدی نے کال مل کا بٹن دبایا۔ دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نے اسے خوش آمدید کی۔

”میں مزدارز سے ملتا چاہتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”تشریف لے چلے جتاب۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔

پھر حمید کو بھی اسی کرے میں پہنچا دیا گیا جہاں کچھ دیر پہلے نادر اس بورڈنگ عورت سے ملا تھا۔ یہاں ابھی وہ لڑکیاں بھی موجود تھیں جو نادر کے لئے بلوائی گئی تھیں۔ حمید کی طبیعت خوش ہو گئی اور وہ سوچنے لگا کہ وقت اچھا گزرے گا۔ رہا فریڈی کا معاملہ تو اس نے نادر کا

”میں ٹو یوڈا اندر موجود ہوں۔“ حمید نے گرج کر کہا۔

”باہر نکل نامرد۔“

”نبیں نکلوں گا۔ میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ میں انہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم

چپ چاپ کھکٹ جاؤ یہاں سے ورنہ مجھے باہر ہی نکلا پڑے گا۔“

فختا مسز و ارز نے اعشاریہ پانچ کا پستول نکال لیا اور حمید کو خاطب کر کے غرائی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔“

”لو بینے نادر۔“ حمید نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”مسز و ارز نے ٹو یوڈا کے ہاتھ بھی اٹھوا دیئے۔“

”میں دروازہ توڑ دوں گا۔“

”کوشش کرو۔“ مسز و ارز غرائی۔ پھر حمید سے بولی۔ ”تم کون ہو۔“

”میں ٹو یوڈا ہوں ڈارلنگ۔ مجھے پہچاننے کی کوشش کرو۔ پچھلے سال ہم دونوں نے ماڈنٹ ایورسٹ پر آئیں کریم کھانی تھی۔“

”لڑکو۔“ وارز بولی۔ ”اے زین پر گرا دو۔“

”اس حرکت کے لئے انہیں لو کیونہ کو بلکہ ہاتھیو کہہ کر خاطب کرو۔ اگر انہوں نے مجھے گرالیا تو مجھے ویے بھی خود کشی ہی کرنی پڑے گی۔“

باہر سے نادر دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ اُدھروہ لاکیاں حمید پر ٹوٹ پڑیں اور حمید نے موقع مناسب جان کر خود ہی زمین پر لوٹ لگائی۔ وہ دراصل اس ٹکر میں تھا کہ مسز و ارز کے ہاتھ سے پستول چین لے۔ لاکیاں ایک دوسرے پر گریں لیکن حمید تو بہر حال ان کے نیچے ہی تھا۔ پھر اس نے دوسرے ہی لمحے میں دوبارہ غلطک ناری اور سیدھا وارز سے جاٹکرایا۔ وہ شاید غافل تھی اس لئے سنجھل نہ سکی۔ دیوار سے ٹکرائی پھر جوتے پکنے فرش پر پھسل گئے اور دھب سے بیٹھ گئی۔ اب اس کا پستول حمید کے ہاتھ میں تھا۔

”چلو۔۔۔ تم سب دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ۔“ حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”مسز و ارز تم

بھی اٹھو۔ اس مہم کے بعد تمہارے لئے ایک تیم خانہ مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔“

فختا باہر سے کئی آدمیوں کی آوازیں آئیں اور پے در پے فائر ہوئے۔ لیکن ان فائروں کے درمیان ایک قہقہہ گونجتا رہا تھا۔

”بس.....“ کسی نے کہا۔ ”اب اسے پکڑلو۔“

حمدیکے جسم میں ایک سردی لبر دوڑ گئی کیونکہ یہ آوازوہ اس سے پہلے بھی ایک بار سن چکا تھا۔ اس کے متعلق غمیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کسی عورت کی آواز تھی یا کسی مرد کی نٹو یوڈا کی آواز تھی اور فائروں کے درمیان قہقہہ بھی اسی کا تھا۔

اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ آدمی لڑپڑے ہوں۔ حمید نے سوچا ممکن ہے نادر نے یہ فائر ٹو یوڈا اسی پر کئے ہوں لیکن ٹو یوڈا تو اپنے لبادے کے نیچے بلٹ پروف جائے رکھنے کا عادی تھا۔ یقیناً اب نادر پکڑ لیا گیا ہو گا۔

فختا باہر سے پھر ٹو یوڈا کی آواز آئی۔ ”مسز و ارز اندر کوں ہے۔“

”ایک اجنبی جناب۔ ابھی اس نے خود کو ٹو یوڈا کہا تھا۔“ مسز و ارز نے یقین چھک کر کہا۔
وہ بے حد خوش نظر آنے لگی تھی۔

”اگر تم میں سے کسی نے بھی اپنی بلگہ سے حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”سکیا اس نے تمہیں کو رکھا ہے۔“ باہر سے پوچھا گیا۔

”ہاں جناب۔ پتے نہیں پر کون ہے۔“

”تمہارا کوئی گاہک۔“ باہر سے پوچھا گیا۔

مسز و ارز نے کچھ کہنے کیلئے ہونت ہلانے ہی تھے کہ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”کہو ہاں۔“

”جی ہاں۔“ مسز و ارز بوكلا کر بولی۔ ”وہ بھی کہتا ہے کہ میں گاہک ہوں۔“

”اس سے کو کہ دروازہ کھول دے اُسے اس شرط پر باہر نکال دیا جائے گا کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔“

”کیپٹن حید کہا تھا اس نے..... اوہ کہیں آپ کرتل فریدی کے ساتھی تو نہیں ہیں۔“

”فرض کرو ہوں بھی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ وہ باہر سے دروازہ مغلل کر گیا ہے اور اب عمارت کے کسی گوشے میں آگ لگا رہا ہو گا۔“

”ہم اس سے پہلے ہی تکلیں گے اور اب میں اسے بتاؤں گی کہ وہ کتنا چالاک ہے۔ سور کے پیچے نے میری خدمات بھی نظر انداز کر دیں۔“

”کیسے بتاؤ گی۔ کیا باہر نکلتے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔“

”کیوں نہیں۔ اس عمارت کو وہ مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس دروازے میں دو ہر اقلیتیں اور اس کے ٹکلے ٹکلے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس دروازے میں دو ہر اقلیتیں اور اس کے ٹکلے ٹکلے سے زیادہ نہیں جانتا۔“

اس نے میز کی درازیں کھول ڈالیں اور ان میں کوئی چیز غلاش کرنے لگی۔ آخر ایک پر کار نکلا اور اس کے ٹکلے ٹکلے سے کوئی قفل کے سوراخ میں ڈال کر زور لگانے لگی۔ پھر حید کی باچھیں تو اس وقت تکلیں جب دروازہ کھل گیا۔

مسز و ارز لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔ ”جاو۔ تم لوگ یہاں سے جلدی نکلو۔ تم یہ رات کی ناٹ کلب میں گزار سکتی ہو۔ اسکے بعد میں تم لوگوں کیلئے کچھ سوچوں گی۔ ارے جلدی کرو۔“

لڑکیاں دوڑتی ہوئی صدر دروازے کی طرف چلی گئیں۔

”اب ہمیں یہاں وقت نہیں برباد کرنا چاہئے۔ آؤ میرے ساتھ آج اس کتے کے پلے کی موت آگئی ہے۔ اگر اس نے میرے ساتھ ایسا برتابا نہ کیا ہوتا تو شاید کچھ دن زندہ بھی رہ سکتا۔ میرا خیال ہے کہ اس عمارت کے چھٹے ٹکلے میں آگ لگادی گئی ہے۔ اوہ ہو..... تم بہت آہستہ چل رہے ہو۔ جلدی قدم بڑھاؤ۔ وہ تو یوڈا ہے۔“

وہ عمارت سے باہر نکل آئے اور تیزی سے بڑک کی طرف بڑھے۔ مسز و ارز نے ہاتھ انھا کر ایک لیکسی روکا۔

”چلو یہاں۔ تم بہت سست ہو۔“ وہ حید کو کچھ لیٹشت کی طرف بدلکیتی ہوئی بولی اور خود بھی اس کے برادر پیغمبری ہوئی ڈرائیور سے بولی۔ ”گرچھ روڈ۔“

”محجھے منتکور ہے۔“ حید نے بلند آواز میں کہا۔ ”میں کسی سے نہیں کہوں گا کہ مسز و ارز کا بورڈنگ غنڈوں اور لفٹکوں کا اکھاڑا ہے۔“

”آہا۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”میرے کان دھو کر نہیں کھا سکتے۔ میں نے تمہیں پیچاں لیا۔“

تم کیپٹن حید ہو۔ ہاہا۔۔۔ اب میں باہر سے دروازہ مغلل کر رہا ہوں۔ اگر تمہارے ساتھ یہ سماں عورتیں بھی جل مریں تو مجھے افسوس نہ ہو گا۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”میں عمارت میں آگ لگانے جا رہا ہوں۔۔۔ ہاہا۔۔۔!“

”ارے جناب۔۔۔ ارے جناب۔۔۔“ مسز و ارز نہیں اندراز میں چھپی۔

”صبر کرو مسز و ارز۔۔۔ یہ موقع ہی ایسا ہے کہ تم عظیم ٹو یوڈا اپر قربان ہو کر اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔“

”ارے نہیں۔۔۔ ارے نہیں۔۔۔“ مسز و ارز کتوں کی طرح رونے لگی۔ لڑکیاں بھی پا گھومنے کے سے اندراز میں حلق پھاڑ رہی تھیں۔

”مجبوڑی ہے مسز و ارز۔“ باہر سے ٹو یوڈا کی آواز آئی۔ ”میں اس سور کو باہر نہیں نکالنا چاہتا۔ ان لوگوں سے بے حد زیچ ہوا ہوں اسلئے اب انہیں کسی قسم کی ذہیل دینا پسند نہیں کرتا۔“

پھر شاید باہر سے اس نے اپنے ساتھیوں سے چلنے کو کہا۔ وہ لوگ غالباً نادر کو بھی اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد رہداری میں سنا تا ہو گیا۔

اب مسز و ارز دشیوں کی طرح آنکھیں پھاڑے ٹو یوڈا کو گالیاں دے رہی تھی اور اس طرح دونوں ہاتھ ہماری تھی جیسے کسی خیالی ٹو یوڈا کی دھیان اڑا رہی ہو۔ لڑکیاں تو بھی پھوٹ پھوٹ کر رہی تھیں۔ دفتار مسز و ارز نے انہیں ڈاٹ کر چپ رہنے کو کہا۔

پھر اس نے حید سے پوچھا۔ ”آپ کون ہیں جناب جس کے لئے ہمیں بھی خالع کرنی پڑیں گی۔“

”میں ٹو یوڈا کی موت ہوں۔“ حید نے غصیل آواز میں کہا۔

پچھہ دیر بعد وہ برآمدے میں تھے۔ ممزواز راز آگئی۔ حمید اندازہ نہیں کر سکا کہ اس نے دروازہ کیسے کھول لیا تھا۔

وہ دونوں دبے پاؤں اندر داخل ہوئے۔ شاید ممزواز دروازہ بند کرنے کے لئے رکی تھی۔ پوری عمارت سنان پڑی تھی۔ ممزواز کی چھوٹی سی تارچ کی روشنی میں حمید ایک ایک کرہ دیکھتا پھر رہا تھا۔

پھر وہ ایک ایسے کمرے میں آئے جسے خواب گاہ ہی کہا جاسکتا تھا۔ یہاں ایک بڑی سہری تھی جس پر بہت پر تکلف بستر نظر آ رہا تھا اور چادر فرش پر لوٹ رہی تھی۔
”چھپتے کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔“ ممزواز نے کہا۔
”کیا مطلب...!“

”بل، اسی سہری کے نیچے گھس چلو۔“ ممزواز نے تجویز پیش کی۔

”اس سے کیا ہوگا۔“

”یقین نہیں آتا کہ کرٹل فریدی کے استثنت ہوتے۔“ ممزواز نے غصیلے لمحے میں کہا۔
”ارے اسی سہری پر تو وہ سوئے گا۔ بیس پھر مالک ہم ہوں گے۔“
اس نے مغرو رانہ انداز میں سر کو خفیف سی جبنت دی۔

ٹولیوڈا کا انجام

پچھہ دیر بعد دونوں سہری کے نیچے پڑے ہوئے تھے اور خواب گاہ میں بالکل اندر رہا تھا۔
حمدی نے مضبوطی سے پتوں کا دستہ پکڑ رکھا تھا۔
پندرہ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور حمید کچھ تھوڑا سرا سیہ ضرور ہو گیا۔ شاید ٹولیوڈا کی آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ حمید خاموش تھا۔ پچھہ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟“
”اسی گیڈڑ کے غار کی طرف۔ میرے علاوہ شاید ہی کوئی اس کے ٹھکانے سے واقف ہو۔“
”حید بے اختیار خوش ہو گیا۔ وہ پچھہ کہنے ہی والا تھا کہ ممزواز بولی۔“ ”وہ وہاں تھا ہو گا۔
اپنے اصل ٹھکانے پر وہ تھا ہی ہوتا ہے۔“

اب تو حمید کی کھوپڑی آسمان سے باتمیں کرنے لگی۔ اس نے سوچا کہ فریدی کو کافی کان خرلنے ہو گی اور وہ ٹولیوڈا کو مار لے گا۔ اس طرح پچھلی حماقتوں کے داروغہ حل سکیں گے۔
ٹولیوڈا انتہائی آسانی سے ہاتھ آ جائے گا۔ آخر وہ بھی تو آدمی ہی ہے۔ کوئی ما فوق الفطرت ہستی نہیں۔
ممزا ز خاموش ہو گئی تھی۔ پچھہ دیر بعد ٹیکسی گرفتاخ روڈ پر پہنچ گئی۔ ممزواز نے ایک جگہ ڈرائیور سے روکنے کو کہا۔

یہ ایک خفتری عمارت تھی جس کے سامنے ٹیکسی رکی تھی۔ حمید سمجھا شام کی عمارت میں جانا ہو گا مگر ممزواز ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے ایک طرف پیدل چلنے لگی۔
”وہ بہت چالاک ہے۔“ ممزواز نے کہا۔ اسلئے بہت زیادہ محاطا رہنے کی ضرورت ہے۔
حمدی پچھنہ نہ بولا۔ آخر ممزواز ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ چاروں طرف سناٹا تھا اور عمارت بھی تاریک پڑی تھی۔

”ہم اپنے جو تے اتار لیں تو بہتر ہے۔“ ممزواز نے آہتہ سے کہا۔ وہ گلاب کی اوپنجی اوپچی جھاڑیوں کے قریب رک گئے تھے۔

”مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ عمارت میں موجود ہی ہو۔“ حمید نے کہا۔
”اگر نہ ہوا تو ہمیں اور بھی آسانی ہو جائے گی اور ہم اُسے غفلت میں مار سکیں گے۔
ویسے وہ واپسی میں آئے گا۔ میں رات برس کرے گا۔ تھا ہو گا۔ تم کہیں چھپ رہیں گے۔ عمارت تاریک پڑی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ابھی وہ واپس نہیں آیا۔ جو تے اتارلو۔“
حمدی نے جو تے اتار کر جیب میں ٹھوٹ لئے۔ ممزواز نے بھی اپنے جو تے اتار کر ہاتھ میں لٹکا لئے تھے۔

حید نے دوسرے ہی لمحے تاریخ کی روشنی محسوس کی۔ اس کے بعد قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔

”چلو آؤ۔“ ممزواز نے آہستہ سے کہا۔ ”اس کی پرواز نہ کرو کہ اس کے ساتھ کمی آدمی ہیں۔ بس تم نہایت اطمینان سے فائرنگ شروع کر دینا۔ وہ عموماً بلٹ پروف پینر رہتا ہے۔ لیکن اب وہ کچھ دیر بعد آرام کرنے کے لئے یہاں واپس آئے گا۔ اس وقت اس کے جسم پر بلٹ پروف نہ ہوں گے۔“

وہ دونوں مسکری کے نیچے سے نکل آئے۔

ممزاز اسے ایک سمت لے جا رہی تھی۔ ہونے کرے میں انہیں روشنی نظر آئی اور حید نے پستول سنپال لیا۔

اندر تین آدمی موجود تھے اور ان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ ”کرو فائر۔“ ممزواز نے آہستہ سے کہا اور حید نے جھونک مارا۔ لیکن اس کا ہاتھ کاپ گیا تھا اس لئے گولی کسی کے بھی نہ لگی اور وہ اچھل کر ادھر ادھر ہو گئے۔ پھر حید کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی کیونکہ اس نے کرٹل فریدی اور اس کے دونقاپ پوش ساتھیوں پر فائر کیا تھا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی غریباً۔

”م..... میں سمجھا تو یوڈا۔ مگر آپ کہاں۔“ حید نے ہکلا کر کہا۔

”میں یوڈا ہی کی طلاق میں آیا ہوں۔ اور ممزواز میں تمہارا شکر گزار ہوں کرم نے یہاں تک رہنمائی کی۔ مگر تو یوڈا کہاں ہے۔“

”یہ کون ہے۔“ ممزواز نے پوچھا۔

”کرٹل فریدی۔“

”اوہ۔“ ممزواز بے حد خوش ہو کر بولی۔ ”کرٹل تم سے مل کر بے حد خوش ہوئی۔“

”مجھے معلوم ہوا تھا کہ یوڈا کی صحیح قیام گاہ سے صرف تم ہی واقف ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”اور تمہیں غلط اطلاع نہیں ملی تھی۔“ ممزواز سکرائی۔ ”اسی لئے تم نے مجھے ٹو یوڈا کے خلاف غصہ دلا کر ٹو یوڈا کی قیام گاہ تک چینچنے کی ایک بنا تھی۔ تم نے کیشن حید کو اسی لئے عمارت میں سمجھا تھا کہ وہ وہاں آ کر کچھ شروع کرے اور تم ٹو یوڈا کا بھیں بدل کر آپنے بنے۔ پھر مجھے اور اسے کسی ایک کمرے میں بند کر کے ایسی باتیں کرو کہ مجھے ٹو یوڈا پر غصہ آ جائے۔ تم جو کچھ بھی چاہتے تھے میں نے وہی کیا۔ مجھے ٹو یوڈا پر غصہ آیا اور اب میں تمہارے استنشت کو یہاں لائی ہوں۔ ظاہر ہے کہ تم ہم دونوں کا تھاپ کرتے ہوئے یہاں آئے ہو۔ لہذا اب ٹو یوڈا کو تلاش کرلو۔“

”میں ٹو یوڈا ہوں۔“ فتحا ممزواز کی آواز بدل گئی۔

”میں جانتا ہوں جاپانی یکجھوے۔“ فریدی نے نہیں کر کہا۔

اور پھر یہک ممزواز یا ٹو یوڈا کے ساتھ بھی وہی بر تاؤ ہوا۔

نادر دبے پاؤں اس کی پشت والے کمرے سے اندر داخل ہوا تھا اور ٹو یوڈا کی کمر پر اس زور کی لات رسید کی تھی کہ وہ اچھل کر کرے کے وسط میں جا پڑا تھا۔ پھر اس نے اسے سنجھنے کا موقع دیئے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگادی۔ سب سے پہلے اس نے پستول پر ہاتھ مارا مگر اس پر ٹو یوڈا کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ دو تین فائر ہو گئے اور کمرے کے کچھ گلداں اور کھڑکیوں کے شیشے ضائع ہوئے۔

لیکن نادر نے اس سے پستول چھین ہی لیا اور اب وہ دونوں دو خشیوں کی طرح لور ہے تھے۔

فریدی نے نہیں کر کہا۔ ”میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا دیں گا۔ جو مجرم بہت زیادہ لاف و گزار کرتے ہیں انہیں ہاتھ لگانے سے ہمیشہ احتراز کرتا ہوں۔“ تم نے کہا تھا ان کہ مجھے کچھ دن ذلیل کر کے آخر کار مارڈا لو گے۔ لہذا اب اس وقت تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور کچھ دیر بعد مار ذلیل کر کے آخر کار مارڈا لو گے۔ تم یہ نہ سمجھتا کہ مجھے یہاں دھوکہ دنے کر لائے ہو۔ جب تک میں نے تمہاری آواز نہیں کئی تھی صرف دور سے دیکھا ہی تھا اس وقت تک تمہیں عورت ہی سمجھتا رہا تھا لیکن ابھی کچھ دیر پہلے جب تمہارے بورڈنگ میں تمہاری آواز سنی تو بڑا مزہ آیا۔ میں نے سوچا کہ تم باہر



دوسری صبح حمید تھین کرنے پر تیار نہیں تھا کہ ٹوپیڈا کو اس طرح پکڑ لیا گیا ہو گا۔ اس نے فریدی سے پوچھا۔ ”کہیں ہم دونوں خواب تو نہیں دیکھتے رہے ہیں۔“

”بھی مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ تو کسی چوہے سے بھی بدتر ثابت ہوا۔“ فریدی بولا۔

”مجھے دراصل اسی کی فکر تھی ورنہ اس کے بیتھیرے آدمی تو یہاں نصیر آباد میں بھی میری نظر وہ میں آگئے تھے۔ انہیں میں سے ایک آدھ کو پکڑ کر میں نے یہ بات معلوم کی تھی کہ مسز و ارز تھیں طور پر ٹوپیڈا کی قیام گاہ سے واقف ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کی آواز سننے سے پہلے اسے نہیں پہچان سکتا۔ ویسے ایکیم یہی تھی کہ مسز و ارز کو ٹوپیڈا کے خلاف غصہ دلا کر ٹوپیڈا کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کر سکوں گا۔ اسی لئے نادر کو وہاں بھیجا تھا اور تمہیں بھی پیچھے لگا دیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اس کے ساتھ بند کر کے آگ لگادینے کی دھمکی دوں گا۔“

”مگر آپ نے ٹوپیڈا کی آواز کی بڑی شاندار قتل اتنا ری تھی۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن وہ تو فوراً ہی بیجھ گیا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں اس لئے اس نے بھی وہی کیا تھا، جو میں چاہتا تھا۔ اس طرح وہ دھوکے کا جواب دھوکے سے دے کر میرا منہجہ اڑانا چاہتا تھا۔ حالات پچھا اور ہوتے لیکن نادر نے وہاں پیچھے کر پہلے ہی گڑ بڑی مجادی تھی۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ ٹوپیڈا نے سلویا کو اس لئے اڑا دیا ہے کہ وہ پولیس کو ڈریگی کے سلسلے میں اپنا بیان نہ دے سکے۔ بس نادر اسے اس عمارت میں دیکھ کر آپ سے باہر ہو گیا اور ٹوپیڈا کے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں جلد ہی نہ پیچھے جاتا تو اس نے کھلیں ہی بگاڑ دیا ہوتا۔“

”یہ ڈریگی کا کیا قصہ تھا۔ کیا اس کا تعلق بھی ٹوپیڈا سے تھا۔“

”صرف اسی حد تک کہ ٹوپیڈا اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اپنی زبردستیوں سے اسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ جب چاہے اسے چٹکی سے مسلکتا ہے۔ لہذا ٹوپیڈا کا پیٹ بھرنے کے

والے ٹوپیڈا کی اصلاحیت سے واقف ہی ہو گئے ہو گے۔ اس لئے اب خاصی تفریق رہے گی اور دیکھو یہ رعنی تفریق۔ ایک ایسا آدمی تمہاری مرمت کر رہا ہے جسے تم اپنے غلاموں کے طبقے میں داخل کرنا چاہتے تھے۔ ہاں نادر..... شباباں....!“

ٹوپیڈا کی کھوپڑی اٹھے کے چھکے کی طرح شخاف نکل آئی تھی۔ مضمونی بال اس جدو چہد کے دوران میں سر سے نکل گئے تھے اور اب اس کے لباس کے لیچے سے نہ جانے کیا کیا الابانکل کرفش پر گرد رہی تھی۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وہ جسمانی قوت میں نادر سے کم نہیں تھا اور نادر کو دانتوں پیشہ آ رہا تھا۔

اہمی تک وہ اسے نیچے نہیں گرا سکا تھا۔

”چلوں بہت ہو چکا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اب اسے پکڑ کر ایک معمولی گرد کٹ کی طرح گرفتار کرو۔ یہ جاپان کا قتنہ ہے ہااا..... یورپ کا زرد بخار ہے یہ وہ ہے جس نے عہد کیا تھا کہ مجھے قتل کئے بغیر یہاں سے نہ جائے گا۔“

”ہاں میں تمہیں قتل کئے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔“ ٹوپیڈا دھاڑا اور یہکہ نادر کو چھوڑ کر فریدی کی طرف چھلانگ لگادی۔ لیکن فریدی بڑی بھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ ٹوپیڈا جھوک میں آ کر نیچے گرا لیکن زمین پر پیچنے سے پہلے ہی فریدی کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ ایک کریبہ پیچ کے ساتھ دوسرا طرف الٹ گیا۔

اب وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹھوڑی دبائے ہوئے کسی مررتے ہوئے ہھینیسے کی طرح ڈکر رہا تھا اور خون کی چادر اس کے سینے پر پھیل رہی تھی۔

”کرٹل..... بیڑا..... بیڑا.....“ نادر پیچا۔



اس کی راہ پر کبھی نہ لگتا اور مجھے بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی۔“
درامن مجھے نادر پر شبہ تو ہوا تھا کہ وہ کوئی حرکت کرنے والا ہے کیونکہ اس کا ذریگی کے
یہاں ایک باغبان کی حیثیت سے ملازمت کرنا حیرت انگیز تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ یہ کتنا مالدار
آدمی ہے۔ بہر حال نادر کی نگرانی کرتا ہوا میں ٹویڈا تک جا پہنچا۔“
”اب صرف دلکتے اور باقی رہ گئے۔“ حمید نے مختنی سانس لے کر کہا۔ ”کی پر کنس
اور وہ سرمایہ دار جس پر آپ کو ٹویڈا کا ساتھی ہونے کا شہر تھا۔“

”وہ حضرات بھی حراست میں ہیں۔ خود ان کے گھر سے ایسی دستاویزات امر نگہنے
برآمد کر لی ہیں جن سے دونوں کے تعاقبات پر روشنی پڑتی ہے۔ کئی پر کنس کے متعلق کیا بتاؤ۔
بس جبی کاڑڑ کی وجہ سے وہ بھی سامنے آئی تھی۔ جبی کاڑڑ اس کا محبوب تھا جسے ٹویڈا اپنے گروہ
میں شامل کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ جبی ہی کی وجہ سے اُسے ٹکست نصیب ہوئی تھی اور اس فیلڈ
میں کہیں کہیں کئی کا وجود بھی ابھرنا تھا اس نے جبی کو قتل کر کے اس کی لاش تحفتناً کئی کو صحیح دی گئی۔
ٹویڈا ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑتا تھا جن سے اُسے کوئی نقصان پہنچ جائے یا نقصان پہنچ کا
احتمال ہو۔“



ٹویڈا پکڑ تو لیا گیا مگر اب وہ میں الاقوامی رسکشی کا باعث ہنا ہوا تھا۔ بیتیری حکومتوں کا
دھوئی تھا کہ وہ ان کا مجرم ہے۔ لہذا اُسے اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ اس میں کافی وقت صرف
ہو گیا۔ لیکن پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے حکومت جاپان کے حوالے کر دیا جائے۔ یہی
ہوا اور جاپان میں ٹویڈا کو بھلی کی کری نصیب ہوئی۔
اس کے دوسرا ساتھی جو گرفتار ہو سکے تھے انہیں بیہلی کی عدالت نے بڑی بڑی

لئے اُسے ہر وقت بڑی بڑی رقومات کی فیکر رہتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ قام سے کم از کم تین لاکھ
وصول کرنے کے چکر میں تھا۔ لیکن اسی چکر میں بالآخر خود بھی مارا گیا اور اسے چھانسے کے سلسلے میں
تمہارا کارنامہ یادگار حیثیت کا حال ہے۔ بڑے ڈھب سے اُسے قانون کے ٹکنے میں لائے ہو۔“
”اور یہ نادر۔“ حمید نے پوچھا۔ ”اس کا معاملہ بھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“
”اوہ..... نادر..... واقعی ایک شاندار آدمی ہے۔ اس نے خود کو یکسر بدلتا ہے۔ وہ
درامن ذریگی اور سلویا کے معاملات سمجھنا چاہتا تھا۔“

فریدی نے نادر کی داستان شروع کر دی، جو غالباً نادر ہی کی زبانی اسکے پہنچتی تھی۔

”مگر..... کیا آپ نے نادر کو پہلے ہی ملا لیا تھا۔“

”نہیں وہ تو صرف دو تین رات پہلے کی بات ہے۔ میں اس وقت اس کی کوئی نظری میں پہنچ
گیا تھا۔ جب وہاں موجود نہیں تھا میں اس سے ملتا ہی چاہتا تھا کیونکہ اس کا رول بھی اس
ڈرائیور میں کافی دلچسپ معلوم ہوا تھا۔ بہر حال نادر نے اس کے متعلق بہترین نئی اطلاعات
فرماں کیں۔“

فریدی نے اُسے بتانا شروع کیا کہ کس طرح ٹویڈا اُسے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا
تھا۔ غالباً اس کا مقصد تو یہی تھا کہ وہ مرعوب ہو کر اس کی ٹولی میں آٹے اور اس کے گروہ میں
ایک کار آمد آدمی کا اضافہ ہو جائے۔ اس کا اعتراف مجھے آج بھی ہے کہ جہاں تک ذہانت کا
تعلق ہے ٹویڈا ایک دیو ہے اور وہ جانتا ہے کہ کسی آدمی کو کس طرح راہ پر لایا جا سکتا ہے اور
اب مجھے ان آدمیوں کو تلاش کرنا ہے جو ٹویڈا کے غلام کہلاتے تھے۔ ان میں سے بہترے
ایسے ہیں جو کسی وقت بھی پکڑے جاسکتے ہیں۔“

”مگر ٹویڈا سلویا کو کیوں لے گیا تھا۔“

”اوہ..... یہ بھی اُس کی ایک عقلمندی ہی تھی، جو چھانسی کے پھندے کی طرح گلے میں
پڑ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پولیس کو اس کا علم ہو سکے کہ ذریگی کو بھی کوئی بلیک میل کر رہا ہے
حالانکہ یہ سارا فتنہ اسی نے اٹھا تھا کہ وہ ذریگی کو بلیک میل کر رہا تھا۔ اگر یہ سلبہ نہ ہوتا تو نادر

سزا میں دیں۔ ڈر گی پر قتل کے مقدمات بھی قائم ہوئے تھے۔ لہذا اسے بھی ایک دن تختہ دار پر جانا پڑا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو مختلف قسم کی سزا میں دی گئیں۔

نادراب ایک شریف آدمی کی طرح زندگی بمر کر رہا ہے۔ مگر اب وہ تہائیں ہے۔ ایک شریف عورت بھی اس کے ساتھ ہے۔ سلویا نادراب ان کی ازدواجی زندگی بے حد خوشنگوار ہے اور اب وہ ماضی میں جھانکنا بھی پسند نہیں کرتے۔

نادر کا خیال ہے کہ ایک نہ ایک دن ہر بُرے آدمی کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ وہ غلط را ہوں پر آنکھا تھا۔ اب اگر اس میں اتنی ہمت ہوئی کہ وہ اسی راہ پر واپسی کے لئے مُرجا ہے تو یقیناً اسے وہ راہ مل جاتی ہے جس سے بھلک کر غلط راہ پر جانکلا تھا۔ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ اب واپسی کی رحمت کون گوارا کرے ہو سکتا ہے یہی راہ آگے جا کر اس راہ سے مل جائے جس پر اسے سفر جاری رکھنا چاہئے تھا تو وہ ہمیشہ دھوکے بھی میں رہے گا اور وہ راہ آہستہ آہستہ اسے اندر ہروں میں دھکیلتی رہے گی۔

ختم شد